ترمیم شدہ ایڈیشن

خودنوشت

حالاتِ زندگی خاندانِ کمال شاہ

وماسٹر حاجی شمس الاسلام مظاہری کیرانوی

(ایم۔اے)



ترتیب وپیشکش

محمد عمر کیرانوی

(سابق ایڈیٹر (اعزازی) ''جدید ادب'' جرمن)



شمسؔ ایسی نظر سے دیکھیں
جی سے مرتا ہوا پھرے ہے

نام	مولانا شمس الاسلام
ولدیت	عبدالحق عرف کمال شاہ
تاریخ پیدائش	5 نومبر، 1943
تخلص	شمسؔ

مصنف کا مختصر تعارف

تعلیم

- مولوی فارغ التحصیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ۱۹۵۴
- منشی امتحان یوپی تعلیمی بورڈ الٰہ آباد ۱۹۶۱
- امتحان ہائی اسکول، یو۔پی بورڈ ۱۹۶۹
- امتحان کامل یوپی تعلیمی بورڈ الٰہ آباد ۱۹۸۲
- امتحان بی اے میرٹھ یونیورسٹی، ۱۹۸۴
- امتحان ایم۔اے میرٹھ یونیورسٹی، ۱۹۸۶
- ادیب جامعہ اردو علی گڑھ ۱۹۶۴
- رجسٹریشن یونانی طبی بورڈ لکھنؤ، ۱۹۶۴
- بی۔ٹی۔سی محکمہ جاتی امتحانات یو۔پی۔(عملی) ۱۹۷۱
- بی۔ٹی۔سی۔محکمہ (تحریری) ۱۹۷۵۔

ملازمت

ملازمت: آغاز کا آپ نے کم عمر میں ہی کر دیا اور آپ نے مختلف مدارس واسکول میں تعلیم دی۔اور پرائیویٹ نوکریوں سے پریشان ہوکر 1971 یو پی، سرکار میں مستقل ٹیچر مقرر ہوئے بعد میں ترقی کے بعد اسکول پرنسپل ہو گئے جہاں 1971 سے 2003 میں ریٹائرڈ ہوئے۔اور ملی موڈل اسکول ،کیرانہ میں نگراں اور مدرسہ کمال شاہ میں مفت تعلیم دیتے ہیں۔سماج کے مفاد میں مفت خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔

Designed By: Danish(Okhla,Delhi)+91-7503605174

شمسی بک ڈپو

SBD

M-14 Abul Fazal Enclave
Jamia Nager ,Okhla
New Delhi-110025
+91-9818349853/+91-7503605174

خود نوشت

حالاتِ زندگی خاندانِ کمال شاہ

وحاجی ماسٹر شمس الاسلام مظاہری کیرانوی

(ایم۔اے)

ترتیب وپیشکش:

محمد عمر کیرانوی

سابق ایڈیٹر (اعزازی) ''جدید ادب''، جرمن

عرضِ مؤلف

ذاتی مشاغل اور دماغی کمزوری کی بناپر مربوط اور مسلسل واقعات نہ لکھ سکا، جو یاد آیا لکھ دیا بعض حادثات کو مکرر کردیا، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔کوئی مربوط و مسلسل لکھ سکے تو مشکور ہوں گا۔کوئی ذاتی حالات کو چھوڑ کر مفید معلومات کا علیحدہ رسالہ بنائے تو بھی اجازت ہے۔

کمترین ننگِ انام

شمس الاسلام مظاہری

کاشانہ عیدگاہ، کیرانہ، ضلع مظفرنگر

28-10-2013

ترتیبِ مضامین

خودنوشت: حاجی ماسٹر محمد شمس الاسلام مظاہری (ایم۔اے)

شمس ایسی نظر سے دیکھ لیں
جس سے مرتا ہوا پھر سے جئے

--

وہ شمس کی تابش کہاں ان حقیر شعلوں میں
لاکھ چراغ جلائے مگر سحر نہ ہوئی

مولانا شمس الاسلام مظاہری شمس

ذاتی تعارف اور وطن

نام محمد شمس الاسلام پسر عبدالحق اور ساکن قصبہ کیرانہ ضلع مظفرنگر:۔ میری قوم مسلمان باغبان ہے جو کہ راجپوت برادری کا حصہ ہے۔ میرے بزرگوں کا خاندانی شجرہ ہے شمس الاسلام پسر عبدالحق پسر حسینی پسر سوندھا باغبان اور قوم کے بارہ میں کہا جاتا ہے جہاں گیر بادشاہ کے زمانہ میں کوئی راجپوت راجستھان سے ہلاکت کر کے نواب مقرب خاں حاکم کیرانہ کے پاس پناہ لینے کے لئے آیا تھا۔ نواب صاحب کو بھی کیرانہ میں نولاکھ پیڑوں کا ایک باغ لگوانا تھا اور پروان چڑھوانا تھا۔ غیر مستند روایت کے مطابق جہانگیر بادشاہ کی زوجہ نور جہاں کے پیٹ میں درد ہوا علاج معالجہ کے لئے مختلف علاقوں سے وید حکیم بلائے گئے۔ انہوں نے مختلف علاج و تدابیر پیٹ کے درد کو دور کرنے کی کیں لیکن ناکام رہے۔ اسی علاج معالجہ کے دوران کسی درباری نے نواب مقرب خاں کے والد صاحب کا نام بتایا کہ کیرانہ میں ایک ہوشیار حکیم ہیں۔ حکیم بینا صاحب اس مرتبہ پر کیسے آئے ان کی داستان والد صاحب سے اس طرح سنی کہ حکیم صاحب ایک مقبول اور خدا کے پیارے بندے تھے۔ ان کو عملیات سے شغف تھا ایک دن انہوں نے ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ موٹا گٹھر لکڑیوں کا لے جارہا ہے اپنے سر پر مگر حالت یہ تھی کہ شیشہ کی طرح اُس کا اندرونی جسم دکھائی دے رہا تھا۔ حکیم صاحب نے دیکھا اور جاننا چاہا کہ کیا عجوبہ ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ لکڑیاں کسی نرالی خصوصیت والے پیڑ سے لی گئی ہیں۔ انہوں نے لکڑہارے کو آواز دی اور پوچھا یہ لکڑیاں کتنے کی ہیں۔ اس نے ''ہشت فلس'' کا جواب دیا یعنی آٹھ پیسے۔ حکیم صاحب نے اُس کی ایک ایک لکڑی کو اُس کے سر پر رکھوا کر دیکھا جب وہ لکڑی آئی جس میں خصوصی اثر آسیب کا تھا اور سر پر رکھی گئی تو لکڑہارے کا تمام جسم آئینہ کے مثل نظر آنے لگا۔ آنت، جگر، گردے، دل صاف نظر آنے لگے۔ حکیم صاحب نے وہ لکڑی اپنے پاس رکھ لی۔ باقی لکڑیاں لکڑہارے کو واپس کردی اور اُس کو قیمت دیدی۔ حکیم صاحب نے وہ لکڑی رکھ لی اور جس مریض کو دیکھنے جاتے اس سے ذاتی حالات معلوم کرتے اور وہ لکڑی بھی سَر پر رکھ دیتے جس سے مرض کی پوری کیفیت سامنے آجاتی اور اُن کی دوا کارگر ہوتی ان کی شہرت دور دور پہونچی اور جب رانی کے پیٹ میں درد ہوا تو

جہانگیر بادشاہ کو کیرانہ کے باشندے حکیم صاحب کا پتہ بتایا گیا۔انہوں نے باعزت دربار میں طلب کیا اور رانی کے علاج کی تدابیر میں لگے اور ذاتی معاینہ کیا کہ درد کا سبب کیا ہے۔حکیم صاحب نے جب رانی کے سر پر وہ لکڑی کرشمہ ساز رکھی تو پتہ چلا کہ رانی حاملہ ہے اور بچہ کا ایک ہاتھ بچہ دانی سے باہر نکلا ہوا ہے اور اُس نے آنت پکڑ رکھی ہے جس کے باعث یہ درد ہے۔حکیم صاحب نے بادشاہ کے خادموں کو کہا کہ چالیس سیر راکھ لائی جائے اور ایک سیر گوکھرو کانٹے بھی لائے جائیں۔ پہلے پانچ گز زمین پر راکھ بچھائی جائے پھر اُس میں گوکھرو ملائے جائیں جو کہ دیکھنے میں نہ آئے۔رانی کو اس کاروائی کی مطلق اطلاع نہ ہو۔چالیس سیر راکھ منگا کر اُس میں گوکھرو چھپادئے گئے۔پھر حکیم صاحب نے رانی کو بلوایا اور راکھ پر چلنے کو کہا جب وہ راکھ پر چلی تو گوکھرو نظر نہیں آئے۔گوکھرو کے کانٹے جب اُس کے پیر میں چبھے اور وہ اچھلی تو راکھ سے باہر آنے لگی اسی ایک دو اچھل کود کے جھٹکے سے بچہ نے انتڑی کو چھوڑ دیا کچھ دیر بعد حکیم صاحب نے رانی سے کہا کہ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔رانی نے کہا میں بالکل ٹھیک ہوگئی یہ سب اطلاعات جہانگیر کو دی گئی اور اُس نے خوش ہوکر یہ کہا کہ بولئے حکیم صاحب کیا انعام چاہتے ہیں۔حکیم صاحب نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہئے، پھر بھی جہانگیر نے حکیم صاحب کے بیٹے نواب مقرب خاں کو انعامات سے نوازا اور اُس کو خرچ کے لئے کیرانہ کی جاگیر دے دی۔

نواب مقرب خاں اس جاگیر کو پا کر سوچا کہ یہ تو چٹیل میدان ہے۔ جہاں گنا، گیہوں کی کاشت اچھی ہوتی تھی۔انہوں نے کیرانہ میں محل بنایا جس کا نشان آج بھی نواب دروازہ کے نام سے مشہور اور موجود ہے۔باپ سے عرض کیا کہ آپ اپنے خادم ملازمین سے ایک تالاب بنوادیں جو چاروں طرف سے پٹری دار ہو اس میں چاروں طرف سے اترنے کے راستے ہوں اور بیچ میں ایک چبوترہ ہو اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ آپ کے ماتحت ملازمین میرے محل سے چبوترہ تالاب تک بیگمات کے لئے باپردہ آنے جانے کو ایک سرنگ بھی بنادیں۔چنانچہ ملازمین نے بڑے بڑے پتھر ڈھو کر تالاب اور بیچ میں چبوترہ بنادیا اور چبوترہ سے محل تک سرنگ کا راستہ بھی بنادیا جس سے بیگمات واسطے سیر آتی جاتی تھیں۔ جمنا تالاب میں پانی آنے کے لئے جمنا ندی سے پانی تالاب میں آجاتا۔جھرنے، مٹکے والا (باباپٹی) اور تالاب ابھی تک موجود ہیں۔تالاب کے مغربی حصہ میں بھول بھلیاں کی شکل پر ایک گڑھی بنی ہوئی ہے جہاں نوابی زمانہ میں شکار اور تفریح کے لئے کشتیاں بھی ملاح لئے ہر وقت موجود رہتے تھے اسی بیچ نواب صاحب کو سوجھی ایک بہت بڑا باغ لگوایا جائے۔جس

میں کم از کم نو لاکھ پیڑ ہوں اس کاروائی کے لئے انہوں نے اُس قاتل راجپوت پناہ گزیں سے کہا کہ اگر تم ہماری خدمات قبول کرو اور ہمارا کہا مانو اور نو لاکھ پیڑ لگا سکو جو ہمارا منصوبہ ہے تو ہم تم کو بادشاہ کی طرف سے قتل کیس سے بری کرا سکتے ہیں۔آنے والے راجپوت راجستھانی نے کہا میں اکیلا اس کام کو کیسے کر سکتا ہوں تو نواب صاحب نے کہا تم اپنا سبھی خاندان کو یہاں لاؤ اور سبھی ملزموں کو ہم بری کرادیں گے آنے والے شخص نے باغ لگانا اور کل خاندان کو لانا منظور کر لیا۔نواب صاحب نے اپنے والد حکیم صاحب کو دہلی بھیج کر ان لوگوں کو معافی دلائی اس کے بعد راجپوت پیشہ ور مالی بولا۔آپ نے مجھے باغبانی کا کام سپرد کیا مگر سنچائی کا ذریعہ کیا ہوگا کیونکہ جمنا سے کیرانہ تک نو لاکھ پیڑ لگانے ہیں۔(تزکِ جہانگیری کتاب میں نولکھا باغ اور حوض یعنی تالاب کا تذکرہ آیا ہوا ہے یہ کتاب تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔)

نواب صاحب نے پھر اپنے ابا حضور سے کہا کہ یہ مالی آب پاشی کے ذرائع کی مصیبت میرے سامنے لا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ نو لاکھ پیڑوں کی سنچائی کے لئے کم از کم تین سو کنوئیں بڑے بڑے درکار ہوں گے چنانچہ حکیم صاحب نے ملازمین کے ذریعہ بڑے بڑے پتھروں والے تین سو کنوئیں جانب مغرب کیرانہ میں بنوادئے جو کہ سنچائی باغ کا ذریعہ بنے۔یہ تین سو کنوئیں آج بھی بذریعہ ملکیت یا موروثیت باغبان اور راعی برادری کے قبضہ میں ہیں۔

مصائبِ ذاتی وحوادثاتِ قدرتی

والد صاحب نے مجھے کلیتاً شاہ گل مسجد، صدر بازار، دہلی میں مقیم کر دیا وہاں جب دوپہر کے کھانے کا نمبر آیا تو ایک طرف سالن میں چورے ہوئے ٹکڑے ڈیڑھ روٹی کے تھے۔دہلی کی باریک چپاتی اور دوسری طرف پوری روٹی اور سالن ذرا سا ملا مجھے مؤذن مسجد نے کہا ان میں سے کوئی بھی پسند کرلو میں نے ٹکڑے پسند کئے۔

والد صاحب نے امامت چھوڑ دی تھی اور ایک روپیہ گز کے حساب سے زمین خریدی جو محلّہ چھڑیان و دربار کے سنگم پر قبرستان سے ملحق تھی یہاں جھانوں سے گھر بنایا اینٹ نہ لگی تھی گارے سے اُن جھانوں کو چنا گیا تھا۔ بھائی عبدالرحیم نے والد صاحب، والدہ کا خرچ اُٹھانا طے کیا اور ہماری تربیت کس میرسی میں آگئی یہ

واقعات میری پیدائش ۳۵ء کے بعد ۴۳ء کے ہیں۔ روزگار کی کوئی سائڈ نہ والد کی تھی جو ۶۶ء میں وفات پائے نہ ہی اولاد کی تھی۔ بھائی عبدالرحیم نے قاری حبیب الرحمٰن کو لگانا چاہا کسی اچھے مدرسہ میں مگر قاری صاحب اولاً متعدد مساجد میں میرٹھ، سہارنپور امام رہے پھر وہ گداگروں کی صحبت میں رہنے لگے اُن کا رنگ اپنے میں پیدا کرلیا۔ بھائی محمد یٰسین مرحوم وہ معاشی بدحالی سے گھر کر کلمات کفر کہہ ڈالتے تھے۔ ویسے وہ مرگی کے بھی مریض تھے۔ اور انگریزی داں نہ ہونے پر افسوس کیا کرتے تھے مجھے سعدی کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

پراگندہ روزی پراگندہ دل
خداوند روزی بحق مشتغل

یعنی جس کی روزی مقرر ہے اس کا دل بھی ٹھکانے لگا ہوا ہے۔ اور وہ فراغ دل سے عبادت میں مشغول ہے۔ اور جس کی روزی پراگندہ ہے اس کا دل بھی پریشان ہے جیسا کہ سعدی نے کہا ہے ؎

شب چوں عقدِ نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

میں نے اپنے لڑکوں کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لیے پہلے ضروری تعلیم قرآن شریف اور اردو کے بعد سرکاری امتحانات دلوائے تاکہ وہ سروس میں بن سکیں۔ میں اولاً چپراسی تھا ۶۲ء میں اور آمدنی تھوڑی ہونے کے باعث مجھے ایندھن برناوی ۵ کوس سے لانا پڑتا تھا۔ صبح فجر سے پہلے ہی چٹنی روٹی پر لگائی اور شام کو ۵ کوس سے ۴ دھڑی لکڑی کتنی ہی بار شدید جاڑے میں لایا۔ ساتھ میں پڑوسی کہار محلہ خواج بخش کیرانہ بھی ہوتے تھے۔ مقدمہ کی پیروی ۵۲ سال کی، میں نہ چاہتا تھا کہ حصہ دار بنوں اور وارث بھائی عبدالرحیم بنوں مگر دنیا نے کہا کہ دو بھائی مانگتے پھر رہے ہیں تم کھڑے نہیں ہوتے تو مرے ہوئے کا انگوٹھا مان لیا جائے گا۔ کیونکہ مرحوم بھائی کے سالوں نے اقرار نامہِ بیع مرتب کر کے یوم الوفات ۴؍۱۹۷۴ء۔۱۔۹ میں انگوٹھا تعلیم یافتہ بھائی کا لگوا لیا تھا۔ مجبوراً مجھے کھڑا ہونا پڑا جس کی سزا ۱۹۷۵ء کے ۳۰؍دسمبر کو عیدگاہ مکان میں چوری ہونے کی شکل میں ملی۔

جب سے بھابی رفیقاً آئی تھی میری ماں اور بھابی میں ناچاقی رہی جس کا اثر مجھ میں آیا اور میں نے بھی دور رہنا پسند کیا۔ علیحدہ رہائش کو ترجیح دی۔ اولاً مکان حاجی اسمٰعیل چھڑیان پر ۴ روپیہ ماہوار پر پھر محلہ سرور خواج بخش میں ۶۰۰ روپے کا مکان خرید کر رہا اس سے پہلے بھی عبدالرحمٰن پنواڑی بازار نخاسہ، سہارنپور کی دوکان پر ۳۰ روپے ماہانہ پر بوریاں بھرنے، جھاڑنے پر لگا تھا اور مکان ۱۰ روپے ماہانہ پر انوار احمد ملازم سگرٹ فیکٹری، محلہ شاہ بہلول میں لیا، دو مہینہ رہے۔

تذکرہ خاندان کمال شاہ

قصبہ کیرانہ، ضلع مظفرنگر میں پچّھم سائڈ میں جمنا ندی ۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ قصبہ مثل قصبات کیرانہ، جھنجھانہ، بڈھانہ، کاندھلا کے ہے جو پرانے قصبے ہیں۔ جہاں پہلے سے ہی مسلم اکثریت ہے۔ میری پیدائش کیرانہ کے محلّہ چھڑیان میں صوفی والے گھر میں ہوئی۔ میرے والد صاحب مسجد برنہ تلا قریشیان میں تھے۔ اسی دوران ۱۹۳۵ء میں میری ولادت ہوئی۔ میرے بہن بھائیوں میں سے صرف تین بھائی بقید حیات ہیں۔ باقی بہنیں اور بھائی بچپن میں انتقال کر گئے۔ میرے تینوں بھائی مجھ سے بڑے ہیں بھائی محمد یاسین مرحوم مجھ سے دو سال بڑے تھے۔ اور وہ حافظ قرآن اور اردو، فارسی اور عربی سے بھی رغبت رکھتے تھے۔ اور ان کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ان کے شعر: ؎

جسے ہمدم سمجھتا ہوں وہ ہی ہمدم نہیں ہوتا مصیبت میں کوئی کسی کا شریکِ غم نہیں ہوتا
محبت میں شہیدِ عشق کا انجام تو دیکھو پڑی ہے لاشِ پروانہ مگر ماتم نہیں ہوتا

ان سے ۹ سال بڑے بھائی حبیب الرحمٰن تھے جو کہ حافظ اور قاری بھی تھے۔ قاری فتح محمد صاحب پانی پتی سے انہوں نے قرآن اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ایک آزاد مسلک شخص رہے۔ ویسے وہ اسلامی یونیفارم کو پسند کرتے تھے۔ ان کی وفات پچھلے دنوں لمبی بیماری کے بعد ۲۰؍اپریل سنہ ۲۰۰۳ء کو ہوگئی۔ ان سے ۹ سال بڑے حافظ مولوی منشی عبدالرحیم تھے۔ جنہوں نے مدرسہ عبدالرب دلی سے مولوی کی ڈگری ہمراہ عبداللہ بخاری امام جامع مسجد دہلی حاصل کی جب وہ مدرسہ فتح پوری دلّی میں زیرِ تعلیم تھے تو وہاں مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی بھی معلم تھے اور مولانا فخر الحسن صاحب بھی جو کہ بعد میں مدرس دارالعلوم دیوبند بنے اُس وقت وہیں قیام پذیر تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے بھائی عبدالرحیم کی تعلیم و تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سے پہلے بچپن میں بھائی عبدالرحیم نے قرآن شریف کی تعلیم حافظ ہدایت اللہ صاحبؒ سے جامع مسجد کیرانہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد فارسی تعلیم کے لئے والد صاحب نے دہلی نظام الدین مسجد بنگلے والی جو مرکز تبلیغ ہے داخل کرایا وہاں انہوں نے اردو، فارسی کی تعلیم حاصل کی اور مدرسہ دعائیہ بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی مولوی عبدالسبحان صاحب سے بھی یہ تعلیم حاصل کی۔ نظام الدین میں نگرانی مولانا الیاس صاحب بانی تبلیغ کی تھی۔ چند سال گزرنے کے بعد امدادی داخلہ بعمر ۱۶ سال مسجد فتح پوری میں قائم مدرسہ عالیہ میں کیا گیا۔ وہاں مولانا فخر الحسن صاحب کی رہنمائی میں بھائی عبدالرحیم نے منشی فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی کا فتح پوری دلّی سینٹر میں دیا اور

کامیاب ہوگئے۔ جوان کے لئے ترقی کا ایک زینہ بنا اس سے پہلے وہ حافظ مولوی بن چکے تھے مگر حافظ مولوی کا دائرۂ ترقی مسجد اور مدرسہ ہی ہے۔ منشی، فاضل کے امتحان میں ان کو سرکاری اور نیم سرکاری تعلیمی اداروں میں درخواست دینے کا حق دے دیا۔ اسی ذیل میں واضح ہو کہ پنجابی ہائی سیکنڈری اسکول قطب روڈ دلی میں تھا۔ جو ایک اقلیتی سرکاری ادارہ تھا۔ جس میں علی الصباح ترانۂ ملی علامہ اقبال اور منظومات اسلامی کے ساتھ قرآن شریف کی تلاوت سے افتتاح ہوتا تھا۔ جس کے لئے ایک قاری کی ضرورت تھی جو روزانہ اسکول کا اجراء تلاوت کلام پاک سے کروائے۔ اسی تلاش کی اطلاع مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کو ہوئی انہوں نے میرے بھائی حافظ مولوی عبدالرحیم کو اس کام کے لئے تیار کردیا۔ یہیں پر ملاقات بھائی صاحب کی مولانا عمر احمد عثمانی پسر مولانا ظفر احمد تھانوی ادیبِ عربی لاثانی سے ہوئی دوستانہ مراسم قائم ہوئے پرانی دہلی سے واقفیت بھائی عبدالرحیم کو مدرسہ عبدالرب میں پڑھنے سے ہوگئی تھی مدرسہ عبدالرب سے پہلے وہ مدرسہ دعائیہ بارہ ٹوٹنی صدر بازار دلّی میں بھی عربی کے تعلیم حاصل کرنے کے لئے زیر تعلیم رہے۔ پرنسپل پنجابی ہائی سیکنڈری اسکول قطب روڈ دلّی نے مولانا عبدالرحیم کو تلاوت علی الصباح کے لئے مقرر کردیا۔ اگرچہ ضرورت قاری کی تھی مگر مولوی عبدالرحیم نے بہ تکلف اپنے کو اچھی آواز بنا کر قاری ثابت کیا۔ تعلقات اور اخلاق میں جب وسعت آئی تو وہاں مدرس دینیات بھی بنادئے گئے۔ مدرس دینیات بنانے میں مولانا عمر احمد خلف مولانا ظفر احمد تھانوی نے اہم کردار ادا کیا۔ جو عربی ادب کے ماہر فن استاد اسی کالج میں تھے سروس بک بنی اور اُس میں مولوی عبدالرحیم نے اپنی قوم شیخ مالی دکھلائی۔ میں نے بھی اولاً ابتدائی قرآن شریف کی تعلیم بہ عمر ۶ سال مسجد پٹھانوں والی محلّہ خواج بخش کیرانہ میں حاصل کی۔ حافظ محمد خوجے صاحب سے قاعدہ بغدادی سن ۱۹۴۲ء میں پڑھا جو کہ جرمنی کی دوسری عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا۔ لکڑی کے جہاز ہمارے سروں پر ایسے نظر آتے تھے جیسے کبوتر اڑتے ہیں۔ تعلیمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے والد صاحب نے مجھے سنہ ۱۹۴۳ء میں دہلی بھیج دیا۔ اب میں سات سال کا تھا۔

اب مجھ کو والد صاحب نے بھائی صاحب کے مشورہ سے کوٹھے والی مسجد بہادر گڑھ روڈ کے امام میواتی جو قرآن شریف بھی پڑھاتے تھے حوالہ کیا گیا اور قرآن شریف حفظ شروع کیا میں نے دو تین پارے حفظ کر لئے تھے مگر میرے لئے حفظ کرنا مشکل ہوگیا اور میری یہ حالت ہوگئی کہ قرآن شریف مسجد میں رکھا اور پل بنگش پر بیٹھ گیا اور آنے والی جانے والی ریلوں کو دیکھتا رہا جو کہ پل کے نیچے سے گذرتی تھی۔ وہ گاڑی ریواڑی جائے گی یہ لائن بمبئی جاتی ہے گفتگو ہوتی رہتی۔ ایک دن وہاں ایک صاحب ملنے والے آ گئے انہوں نے کہا کہ تمہاری والدہ بھی جب آئی تھیں وہ سامنے جنگلے مسافر خانہ کا عقب نظر آرہا ہے وہاں ٹھہری تھیں اور تمہارے والد صاحب نے آنکھیں بنوائی تھیں۔ شرفہ آئی ہسپتال دریا گنج میں اس وقت وہ والد کی تیمار داری کی حیثیت سے آئی تھیں الغرض میں مدرسہ سے فرار ہو کر پل بنگش کے نظارے یا سبزی منڈی کے نظارے کرتا رہا:

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

والد صاحب نے میرے فرار کو دیکھ کر حفظ سے ناظرہ قرآن کرادیا اور مجھ کو شاہ گل والی مسجد حوض والی محلّہ قصاب پورہ میں داخل کرادیا وہاں بھی میری آزادروی جاری رہی اور میں اتوار والے دن عیدگاہ کے پاس کمیلہ میدان میں مینڈھوں کا مقابلہ اور مرغوں کی لڑائی دیکھنے جاتا تھا۔ کبھی کبھی ساتھ والے بچے جن کی صراحی گھڑوں مٹی کے برتنوں کی دوکانیں تھیں مجھے ویسٹ اینڈ ٹاکیز میں بھی لے جاتے اور وہاں پوسٹر طوفان میل، پنّا شاہی فقیر لڑائی کے کھیل دکھاتے اور مجھ کو ختم کے سین دکھاتے۔ سنیما سے دنیاوی ماحول کا بھی احساس ہوا اور رفتارِ ترقی دنیوی کا بھی علم ہوا بعد میں یہ ذوق درماندہ ہوگیا۔ کیونکہ جو وہاں دیکھا وہ ملتا نہیں۔ فضول حسرت بڑھانا ہے۔

بت پرستی دین احمد میں کبھی آئی نہیں
اس لئے تصویر انکی ہم نے کھچوائی نہیں
ایک سے جب دو ہوئے تو لطف ِیکتائی نہیں
اسلئے تصو یر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
ہم تو مشتاقِ سخن اسمیں گویائی نہیں
اسلئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

مولوی انوار احمد صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی الیاس کیرانہ محلّہ زیر انصاریان میں بیاہے ہوئے تھے اور مولوی انوار احمد کے لڑکے مولوی ادریس ہمدرد دواخانہ میں سروس میں تھے گویا مولوی انوار کا میں معتمد علیہ شاگرد تھا گھر کے کام بھی انجام دیتا تھا ایک دن انہوں نے دھوبی کے یہاں سے کپڑے لانے کو کہا میں ان کے محلے نیا محلّہ سے جو اس وقت پل بنگش رنڈی والا باغ کہلاتا تھا وہاں سے کپڑے لے کر چلا راستہ ہی میں محلّہ شیش محل کی حوض والی مسجد تھی جہاں میرا قیام تھا۔ اور میرے بھائی مولوی عبدالرحیم اسی مسجد میں امام اور مفسر قرآن تھے اوپر مسجد میں حجرۂ مسجد تھا جس کو ممدو میواتی ساکن ریواڑی علی الصباح صاف کیا کرتا تھا۔ میں جب مسجد میں آیا تو مولوی عبدالرحیم صاحب بھائی سے ٹکراؤ ہوا وہ بولے یہ ہاتھ میں کیا ہے میں نے کہا کہ کپڑے دھوبی کو دینے کے لئے ہیں وہ بولے کیا تو اُن کا نوکر ہے۔ میں نے یہ ناراضگی بھائی کی مولوی انوار استاد سے کہی اور انہوں نے مجھے کہا کہ پڑھانے کے ہم کیا تمہارے نوکر ہیں۔ جاؤ اپنا بستہ لے کر اور میں چل دیا اور اپنی قیام گاہ مسجد شیش محل میں آگیا۔ شام کو بھائی صاحب آئے اور ان کو واقعہ سنایا انہوں نے والد صاحب کو کیرانہ سے بلایا اور مجھے میرے استاد مولوی انوار کے پاس لے گئے۔ انہوں نے بہت غور و فکر ہماری معذرت کے بعد مجھے بٹھالیا۔ میں نے پھر پڑھنا شروع کردیا۔ ایک سال بعد جب میں آٹھ سال کا ہوگیا تھا قرآن شریف ختم ہوا اور ختم میں کیرانہ سے لے جائے گئے بیر بانٹے گئے جو مٹھائی سے زیادہ میٹھے تھے اس کے بعد مجھ کو نرسری اسکول جنگل والی مسجد باڑہ ہندو راؤ

میں داخل کیا گیا جہاں میں نے درجہ ۳ تین تک ماسٹر اصغر صاحب سے پڑھا اور اس کے بعد بھائی صاحب نے مجھے پنجابی ہائی سیکنڈری اسکول قطب روڈ دہلی کے درجہ چہارم میں داخل کرایا۔

اس وقت کی سیاسیات

یہاں تک کے سن ۱۹۴۷ء کی سیاسی زور آزمائش شروع ہوگئی۔ اور جابجا گلیوں میں ''لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کر رہے گا ہندوستان، سینے پر گولی کھائیں گے پاکستان بنائیں گے'' یہ نعرے سنائی دئے۔ والدصاحب بھی اس دور میں دہلی آئے اس روز باڑہ ہندوراؤ میں جمعیۃ العلماء کا جلسہ تھا۔ جلسہ کے چاروں طرف احرار پارٹی کے رضا کار ہاتھوں میں کلہاڑہ اور سر پر جناح کیپ چاند تارے بلّہ والی لگائے کھڑے ہوئے تھے تا کہ مسلم لیگی جلسہ درہم برہم نہ کر پائیں۔ جمعیۃ علماء تقسیم ہند کے خلاف تھی اور مسلم لیگ پیروکار تھی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عطاءاللہ شاہؒ بخاری نے جلسہ سے خطاب کیا افتتاحی تقریر مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ایک انقلابی نڈر شخصیت تھی بیباک تبصرہ اور کھل کر تقریر کرنا ان کی خصوصیات میں تھا۔ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری تو بے مثال مقرر تھے۔ ان کی تقریر میں ایک بار والدصاحب جامع مسجد دہلی لے گئے تقریر عشاء بعد تھی عشاء سے فجر کی اذان تک تقریر ہوئی اور اتنے لمبے عرصہ لوگ ایسے بیٹھے رہے جیسے اُن کے سر پر چڑیا بیٹھی ہو ساکت اور جامد ہوکر لوگ سنتے رہے۔ اذان نے تقریر بند کرائی ان کی شعلہ بیانی سے مجھے ۷ سالہ بچے کو بس ایک شعر یاد ہو گیا۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے گرتے کو تھام لے ساقی

مسلم لیگوں کے حق میں کہا تھا کہ پاکستان بننا آسان علوم شرع کا نفاذ صرف لفاظی تک ہے کیوں کہ قوانین شرع سے خود تحریک پاکستان کے بانی واقف نہیں ہیں۔ مسٹر جناح لاء تو جانتے تھے پرسنل لاء، محمڈن لاء، الگ الگ اسٹڈی ہے۔ یہی نظریہ بخاری صاحب نے دیا۔
اورانہوں نے آیت اِنَّ شرَّ الدّوَابِ عِندَ اللهِ الُصّمُّ البُکمُ الدینَ لا یعقلونَ پر تقریر ختم کی۔ آخیر میں قطعہ انورصابری نے سنایا۔

حضور حسن کبھی التجا کا نام نہ لو
وفا کی شان یہی ہے وفا کا نام نہ لو
مصیبتوں میں کوئی آشنا نہیں ہوتا
مصیبتوں میں کسی آشنا کا نام نہ لو

مسلم لیگ جو نشہ پلا رہے ہیں۔ ملک بٹوارہ کر رہے ہیں اس پر جو نشہ طاری ہوگا اور مارکاٹ افراتفری عصمت دری اور مقامات مقدسہ ہندوستان کی بے حرمتی ہوگی وہ کسی کو نظر نہیں آرہا۔ تقسیم کے بارے میں علماء ہند مختلف ہوگئے۔ مولانا اشرف علی مرحوم اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد تھانوری اور مولانا احتشام الحق وغیرہ تقسیم کے موافق تھے اور مسلمانی تہذیب ہندو تہذیب جداگانہ مانتے تھے اور باہمی ربط وضبط کو جدا کرنا چاہتے تھے تاکہ اسلامی تشخص کی حفاظت ہوسکے۔ مولانا حسین احمد اور ان کے رفقا کا خیال تھا کہ جہاں پاکستان بنایا جارہا ہے وہاں پہلے سے مسلمان اکثریت اور پاکستان ہے۔ پاکستان اگر بن گیا ہے تو اس گنگ و جمن کے بیچ آثار اسلامی کی حفاظت کیسے ہوگی۔ الغرض ان ہنگاموں سے دور والدصاحب مجھے ۱۹۴۸ء میں کیرانہ لے آئے یہاں بھی عربی، فارسی مدرسہ واقع جامع مسجد کیرانہ میں حمد باری اور قواعد قاسمیہ وغیرہ مولوی محمد خالد صاحب اور ماسٹر انیق احمد سے حساب حاصل کرتا رہا پھر دوبارہ دہلی گئے مگر سر پر ۱۹۴۷ء کی آزادی سوار ہوگئی ملک ٹوٹ گیا اور چوٹی کے کانگریسی جواہر لال نہرو نے تقسیم ہند کو منظور کیا۔ آخر کار گاندھی جی نے بھی مان ہی لیا ملک تقسیم ہوا۔ جداگانہ فوج بلوچ پٹھان رجمینٹ پاکستان کے حق میں آئی۔ گورکھا، جاٹ، سکھ رجمینٹ ہندوستان کے پاس رہیں۔ اب جو فرقہ وارانہ فساد ہوئے اس میں ہم گھر گئے اور ۷ رستمبر ۱۹۴۷ء کو یہ کیفیت ہوگئی کہ زبردستی بلوائیوں نے دہلی کے دو بڑے محلے پہاڑ گنج جس میں ۴ منزلہ عظیم الشان جامع مسجد تھی خالی کرالی گئی۔ سبزی منڈی کا کاروبار جو زیادہ تر مسلمانوں کا تھا سب چھین لیا اور وہاں والوں نے راہِ فرار بجانب پاکستان اختیار کرلی اور ٹرکوں کے ذریعہ ممکنہ سامان ہوائی اڈہ لے جایا جانے لگا کچھ لوگ ٹرینوں سے گئے۔ مگر غیر محفوظ بعض بعض ٹرینیں جگادھری میں لوٹ لی۔ جانیں کاٹ دی گئیں بہت کم محفوظ ہوکر ٹرینوں سے لوگ لاہور پہنچ سکے خیر پاکستان بن گیا ہم محلّہ شیش محل صدر دہلی میں تھے مگر ایک دن کسی بلوائی نے باؤجی کی گلی کے پاس چوراہہ پر کھڑے فوجی کو مارشل لاء کے درمیان گولی ماردی جس سے مامور فوج کا عتاب پوری رات شیش محل، کشن گنج ملحقہ محلوں پر زبردست پڑا۔ رات بھر گولیاں مشین گنوں کی آواز سے محلّہ تھر تھرا گیا۔ علی الصباح تھانیدار داؤد خاں صدر تھانہ سے آئے محلّہ والوں کو غلطی بتائی اور تلافی کے لئے فائرنگ کرنے والے کی تلاش کی مگر وہ گلی سے فائرنگ فوجی پر پہاڑی دھیرج سے ہوا تھا جو کہ ملحقہ محلّہ ہنود کا تھا باؤجی کی گلی سے فوجی شوٹ کیا گیا اور عتاب کے شکار ساکنانِ محلّہ کشن گنج ہوئے اس طرح مارشل لاء اور انتقال آبادی ہوتا رہا یہاں تک کہ ۲/۳ محلّہ خالی ہوگیا۔ میرے بھائی صاحب بھی گھبرا گئے ان دنوں پرانا قلعہ ہمایوں کا مقبرہ پناہ گزیں کیمپ پاکستان بھاگنے والوں کے لئے بنے ہوئے تھے جہاں بلوچ فوج کا پہرہ تھا وہاں سے بذریعہ سڑک لوگ پالم (صفدر جنگ) ہوائی اڈہ جاکر سوار ہوتے تھے اور کراچی پہنچتے تھے ہم بھی دونوں بھائی عبدالرحیم ۴۵ سالہ اور میں شمس الاسلام ۱۱ سالہ ٹرک میں سوار ہوکر پرانے قلعہ پہنچے سوچا ماں باپ کیرانہ میں ہیں۔ بھائی حبیب الرحمٰن کا پتہ نہیں۔ وہ پانی پت میں یا کیرانہ میں ہیں۔ کیونکہ وہ پانی پت میں ہی امام تھے اور تعلیمی سلسلہ بھی جاری تھا۔

انہوں نے کرفیو اور مارشل لاء کے درمیان اُن کو تار بھی کاندھلہ سے کیا گیا ہم کو ملا تھا۔ جس سے پتہ چلا کہ وہ ہنگامہ ۴۷ء میں بعافیت ہیں۔ ہم کہاں جاتے کہاں تار کا جواب کرتے قیامت صغریٰ ہمارے اوپر سوار تھی جب بھائی صاحب بنام امام صاحب پرانے قلعہ جانے لگے تو محلّہ والوں نے طعنے دئے امام صاحب! کیا وہاں دوسرا خدا ہے جو آپ کو بچالے گا بھائی صاحب دم بخود تھے محلّہ خالی ہوتا جارہا تھا لوگ پناہ کیمپ جارہے یا بالکل ہجرت کر کے پاکستان جارہے تھے ہم ٹرک سے پرانے قلعہ پہنچے وہاں دروازہ پر ہم نے دیکھا کہ چادر کے اوپر لوگ وہ سامان بیچ رہے ہیں جو وہ گھر سے لا سکے تھے۔ قیمتی سامان پانی کے مول بیچ رہے تھے کیونکہ اُن کو ہوائی جہاز کا ٹکٹ لینا اور پاکستان جا کر گذر بسر کرنا تھا ان کا خیال تھا اب تو جان بچی لاکھوں پائے کا خیال بندھا ہوا تھا سونا ۱۰ روپے کا پرانا تولہ ۱۲ ماشہ کافی تولہ کے حساب سے بِک رہا تھا۔ منچلے جن کو زندہ رہنے کی امید اور امن کا علاقہ پا جانے کی امید تھی خرید بھی رہے تھے مجھے اور بھائی صاحب کو تین روز گذر گئے صرف پانی پر گزر رتھا۔ لاہور و پاکستان سے پناہ کیمپ پرانا قلعہ میں بنی بنائی۔ جہاز سے روٹیاں آتی تھیں اور ہوائی اڈہ سے پرانے قلعہ ٹرک سے روٹی نان آتے تھے بڑی مسرت اور شادمانی ہوتی تھی کہ روٹیاں آگئیں۔ آنکھیں کھلیں گی مگر جب وہ روٹیاں کھانی شروع کرتے تھے دو تین لقمے سے آگے نہ چلتی تھیں کیونکہ بھُسی ہوئی تھیں اس سے وہاں کھانے والوں میں ہیضہ پھیل گیا، دوا ندارد مسجد پر عورتوں، شیر خوار بچوں کا قبضہ تھا وہاں گندگی ہوگئی، جماعت ذرا سی جگہ میں ہوتی تھیں صرف پانی پر گزر رتھا۔ پانی کے لئے ایک کنواں چوڑا سیڑھی نما تھا۔ پیڑیوں سے جا کر ہاتھ سے پانی لیا جاتا تھا۔ بہت ہی لمبی لائنیں ہوتی تھیں مردوں کی الگ عورتوں، بچوں کی الگ کافی دیر میں پینے کا پانی لیا جاتا تھا۔ تیسرے دن کے بعد چوتھے دن ایک روٹی گھی چینی لگا کر بھائی عبدالرحیم کے دوست نے کھانے کو دی اور بس آخر کار ہم وہاں سے بھی چلے اور بھائی صاحب کے ملنے والے مولوی عارف صاحب پشاوری امام صاحب جو کبھی بھائی صاحب کے مؤذن شیش محل والی مسجد میں رہ چکے تھے کے یہاں پہنچے وہ چھتہ لال میاں کی حوض والی مسجد میں امام تھے۔ قریب آٹھ روز وہاں رہے بہت افواہیں سرگرم تھیں، بلوائی اب آئے اب آئے۔ ایک دن آنکھوں میں مرچیں لگیں پتہ چلا کہ پولس نے گیس کے گولے پھینکے ہیں۔ نمازیوں نے مجھے کہا حوض سے آنکھیں دھولو مرچ کم ہو جائیں گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہاں سے نہ معلوم کس طرح بھائی صاحب نے میرٹھ کے راستہ مظفر نگر آنے کا ارادہ باندھا کوئی خاں صاحب تھے جو اپنی فیملی کو میرٹھ لے جارہے تھے کار میں سوار ہو کر ہم چلے کیونکہ فسادات کو عظیم الشان بارش نے بند کیا جو کہ بیس روز رہی اور ستمبر کا مہینہ بھی آخیر ہو گیا تھا بلوائی بھی تھک گئے تھے۔ اسی دوران میں نے والد صاحب کو خیریت نامہ لکھا اور لیٹر بکس میں ڈال دیا میں بچہ تھا آداب مراسلت سے واقف نہ تھا والد کو اپنے والد کی طرز پر جو وہ اپنے بیٹے کو لکھا کرتے تھے عزیز القدر عزیز از جان والد صاحب سلمہ الرحمٰن کے القاب سے خطاب کیا جو کہ بیٹے کو لکھا جاتا ہے۔ بھائی صاحب نے وہ خط کیرانہ پڑھ کر کہا کہ باپ کو عزیز از جان کر کے خطاب کرتے ہیں وہ تیرے بیٹے ہیں؟۔ خیر ۱۹۴۶ء میں

جب مسلمانوں سے ووٹنگ کرایا گیا کہ مسلم لیگ کے نظریہ کے مطابق پاکستان چاہتے ہو یا مشترکہ رہنا چاہتے ہو برٹش حکومت نے نظریاتی ووٹنگ کرایا۔ گلی گلی میں آواز تھی لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کے رہے گا ہندوستان خود کیرانہ میں جبکہ میں ۴۶ء میں دہلی سے آیا یہاں مسلم لیگ سے کنور اصغر علی، گاؤں لوئی کے اور حاجی ضیاالاسلام، کاندھلہ کے کانگریسی امیدوار تھے مکتب کے بچے گلے میں پٹیاں ڈالے پرے باندھے گلی گلی گھوم رہے اور گا رہے "طوقِ غلامی توڑ دو اصغر علی کو ووٹ دو" دوسری طرف کے لوگ کہہ رہے تھے "ہے قوم کی یہ ہی صدا جیتیں گے بس حاجی ضیاء" پاکستان بنا اور مسلم اکثریتی صوبوں میں بنا جہاں کہ بقول مولانا حسین احمد صاحب پہلے سے پاکستان بنا ہوا تھا ہم جیسے کانگریسی مسلمان ہند یونین میں رہ گئے جن کو مسٹر جناح نے قربانی کے بکرے کہہ کر نظر انداز کر دیا بعد میں بڑی مشکل اور قربانیوں کے بعد مسلمان ثبوتِ وفاداری دے پائے تقسیم کے تاثرات اب بھی فسادات کی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں کچھ علماء مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے پیر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مولانا تھانوی کے بھانجے مولانا ظفر احمد صاحب پاکستان نواز بن گئے۔ مسلم لیگی بنے اور میرے پیر مولانا حسین احمد صاحب و مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری و مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا احمد سعید دہلوی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبان اور مولانا ابوالکلام آزاد مشترکہ سماج ہندو مسلمان کے حامی بن کر بھارت میں رہ گئے اور یہ لوگ کانگریسی تھے۔ جن سے کانگریس کی ساکھ مدتوں تک الیکشن میں بندھی رہی۔

آخر کار مولوی عبدالرحیم صاحب دوبارہ ۴۸ء میں دہلی میں گئے وہاں میوات سے آئے لوگوں سے دہلی بھر گئی اور ہندو شرنارتھی الگ آرہے تھے محکمہ کسٹوڈین نے خالی مکانوں پر تالے ڈال دئے تھے جو بعد میں شرنارتھی لوگوں کو کلیم میں ملے جو وہ جائداد پاکستان چھوڑ آئے تھے افراتفری کا عالم تھا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم گلی گلی کوچہ کوچہ جلسے کرتے اور پاکستان بھاگنے والوں کو روکتے مگر ۴۷ء میں ہی ستمبر کے مہینہ میں بلوائیوں نے دہلی کے دو بڑے محلے پہاڑ گنج اور سبزی منڈی خالی کرا لئے ہم کانوں سے سنتے رہے پھر قرول باغ بھی زد میں آیا، طبیہ کالج رہ گیا مگر علاقہ غیر میں تھا بھائی صاحب مدرسہ رحیمیہ قصاب پورہ میں بطور ناظم مقرر ہو گئے کیوں کہ وہ مدرسِ دینیات ہائر سکنڈری اسکول قطب روڈ دلی سے تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اور دہلی دوبارہ تسلی میں آگئی جو بھاگنا تھے بھاگ گئے گاندھی جی اور نہرو جی مساعی کارفرما ہوئیں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسلم پناہ گزینوں کی جو مشرقی پنجاب سے دہلی آئے بے پناہ اور بے مثال رہبری کی بہت مکان کسٹوڈین سے واپس دلوائے اور بہت سی لاوارث جوان بچیوں کے نکاح مناسب جگہ کرائے ان کی شعلہ بیان تقریر بھاگتوں کے پیر جما دیتی تھی وہ بعد میں ایم۔ پی بھی بنے وہاں بھی شعلۂ جوالہ ثابت ہوئے اور تعمیر ملک وملت میں اہم کردار ادا کیا اور مجاہد ملت کے خطاب سے نوازے گئے جو کہ واقعتاً اس خطاب کے وہ موزوں تھے جو ہماری آنکھوں نے دیکھا۔

بڑے بھائی عبدالرحیم صاحبؒ

خیراب بھائی صاحب نے مجھے نرسری اسکول جنگل والی مسجد میں داخل کرایا اور وہ امام بدستور سابق مسجد شیش محل میں دوبارہ ہوگئے وہ بعد عشاء تفسیر قرآن بھی کیا کرتے تھے میں نے درجہ ۳ تک نرسری اسکول میں پڑھا درجہ ۴ پڑھنے کے لئے بھائی صاحب نے مجھے پنجابی ہائی سکنڈری اسکول قطب روڈ دہلی میں داخل کیا تھا جو کہ تقسیم سے پہلے تھا جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں لہٰذا اب دوبارہ مدرسہ رحیمیہ میں جہاں بھائی صاحب ناظم مدرسہ تھے مجھے درجہ ۴ میں داخل کیا گیا پہلے درجہ ۴ تک ہی پرائمری تعلیم تھی۔ میں روزانہ شیل محل سے فیاض گنج اور باڑہ ہندوراؤ کے راستے سے احاطہ کیدارہ آتا اور قصاب پورہ گھنٹہ والی مسجد کے پاس مدرسہ رحیمیہ میں زیر تعلیم رہتا۔ ظہر کے قریب چھٹی پر واپس پہنچتا۔ میرا روز کا ایک آنہ بندھا ہوا تھا جس روز میں سوتا رہتا بھائی صاحب ایک آنہ میرے بستر ے پر ڈال کر چلے جاتے کیونکہ ان کا اسکول مجھ سے پہلے ۷ بجے کا تھا۔ بھائی صاحب کے لئے محلّہ سے مقررہ کھانے لاتا اسی دوران رمضان اگست کے مہینہ میں آگیا بارش تھی روزے تھے تراویح میں سماعت قرآن شیش محل میں بھائی عبدالرحیم صاحب کرتے تھے چنانچہ اُن کے نکاح ثانی کی تحریک شروع ہوئی گویا نکاح ثانی اخیر ۴۸ء میں ہوا جو کہ رفیقاً بنت بندو ساکن محلّہ بساطیان کیرانہ سے ہوا اور وہ بھابی صاحبہ کو مسجد کے قریب ایک مکان کسٹوڈین سے خالی کرا کر عارضی رہنے لگے۔ بھابی جان نہایت سادہ لوح تھی اور شوہر کی جاں نثار تھی بعد میں وہ اختلاف اخوان کا باعث بھی بنی کیونکہ والدہ صاحبہ سے اُن کی نہ بنتی تھی اور اُن کا رجحان میکہ کی طرف ہوگیا جس کا احساس والدہ کو ہوا اور اصل حقدار ماں بھائی ادائگی حقوق سے عاری رہ گئے اور مولوی عبدالرحیم بھی تذبذب میں آگئے کیونکہ اس سے پہلے جب ہم بچے تھے اُن کے نکاح میں سیدی دختر علی بخش تھی جو کہ سگے ماموں کی لڑکی تھی خدا جانے کیا حالات تھے کہ میری والدہ اور سیدی میں بھی تکرار اور رنجید گی تھی والد صاحب نے بے جاطرفداری بہو کی کی یہ اور جلتی پر تیل ہوا اور نوبت بہ طلاق پہنچی۔ طلاق والد صاحب کے ایما پر ہوئی اور حافظ ہدایت اللہ اور والد صاحب نے مسمی بندو کے یہاں بات چیت کر کے رفیقاً کو زوجۂ ثانیہ بنا دیا اور سیدی کا نکاح برادری کے سیدے سے کر دیا گیا وہ دونوں شیر وشکر گذار گئے اور سدھار گئے اب ۲۰۰۳ء ہے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نے سیدی ماموں زاد لڑکی کو زوجہ بنا کر کیرانہ میں ہی رکھا دہلی نہیں لے گئے۔ باغبانوں کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی سے وہ ناواقف تھے یہاں باہمی بے پردگی بے راہ روی پھیلی ہوئی تھی برادری پر غلبہ عادی مجرموں کا تھا جس کے سدھار کی کسی میں طاقت نہ تھی بعد میں جب میرا نکاح ہوا تو دو ایک سال کے بعد ہی میرے قتل اور گھر والی کے اغوا کا منصوبہ بنایا گیا جبکہ ہم دونوں میاں بیوی کا پسینہ گلاب تھا اور بدرالاسلام ابھی پیدا نہ ہوا تھا میں امام مسجد محلّہ میدان ہدف سہارنپور انبالہ روڈ سہارنپور تھا مکان متصل

مسجد لبِ نالہ تھا ایک اجنبی بے ریش وبروت نے متولی مسجد کو پہلے اور پھر مجھے بلا کر اطلاع دی کہ آپکے بھائی عبدالرحیم موٹر کے نیچے آگئے، پسلیوں میں سخت چوٹ ہے آپ دونوں کو بلایا ہے اور شراب اصلی واسطے زخم منگائی ہے ہم نے اِس جھوٹ پر یقین کرلیا اور چلنے کو تیار ہوگئے مگر یہ کہا کہ آپ جو ٹرک لائے ہیں اس میں سوار ہو کر نہ جائیں گے علیحدہ ریل سے پہونچیں گے جب ہم کیرانہ پہنچے تو سب جھوٹ نکلا نہ کوئی موٹر کے نیچے آیا اور نہ کسی کو چوٹ لگی نہ شراب منگائی بس گھر والی کو ٹرک میں بٹھا کر جنگل لیجا کر مجھے پیٹنا اور ہلاک کرنا اور گھر والی کو اغوا کرنا تھا یہ کاروائی برادری کے اوباشوں کی تھی جو رشک وحسد میں سوچی جو قدرت نے ناکام کی:

جا کو راکھے سائیاں، مارنہ سکّے کوئے

والد صاحب عبدالحق عرف کمال شاہ ساکنِ محلّہ چھڑیان کیرانہ والد صاحب کے ایک بھائی قبول نام کے تھے جو جوانی میں انتقال کر گئے والد صاحب کا کوئی خاص پیشہ نہ تھا وہ کھیتی مزدور بھی تھے اور مسجد کے امام بھی تھے۔ غسّال بھی تھے اور کفش دوز بھی رہے ان کی بنائی ہوئی جوتیاں برادری کی عورتوں نے پہنی ہیں۔ والد صاحب جوانی سے ہی عبادت گزار تھے اور ملاجی کا لقب ان کو جوانی سے ہی ملا ہوا تھا جوانی میں وہ زور آزمائی بھی کرتے تھے اور اُس زمانہ کے فن داؤ پیچ بھی سیکھتے تھے جو بعد میں بعہد کہولت اُن کے کام آئے ایک بار مولوی بلخی نے نہر میں ڈبونا چاہا وہ قابو میں نہ آسکے، ایک بار کالا موچی پہلوان نے زیر کرنا چاہا آپ قبضہ میں نہ آئے اور داؤ پیچ سے اُسے برسرِ مجمع گرایا کالا موچی بولا دلی کے مال کھا رکھے ہیں والد صاحب بولے اگر میں گر جاتا تو کہتا اللہ نام کے ٹکڑوں میں کہیں جان ہوتی ہے۔ کئی بار پڑوسیوں سے بلا وجہ جھگڑا ہوا وہ زبان سے کچھ نہ کہتے گالی کی عادت نہ تھی مگر پٹک دیتے تھے اس سے اُن کے گھر کی حفاظت رہی وہ دہلی بھائی صاحب کے پاس جاتے گھر اکیلا رہتا مگر عیار لوگ ڈرتے تھے نقصان کی جرأت نہ ہوتی تھی وہ علماء صلحاء سے رابطہ رکھتے اور مزاج میں سادہ پن اور عقیدہ کے پختہ تھے راسخ العقیدگی پختہ خیالی ہم کو انہی سے ورثہ میں ملی وہ رسومات برادری سے دور ریا کاری سے مبرا تھے انہوں نے قرآن شریف حافظ بندو مالی سے اور فارسی زبان مسجد بنگلہ والی میں پڑھی اس وقت مولانا محمد صاحب بڑے بھائی مولانا الیاس صاحب رہتے تھے اُن سے علمی استفادہ کیا اور انہی سے مولانا محمد صاحب سے بیعت بھی ہوگئے۔ مولانا محمد صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے اون کے بھتیجے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مرحوم سے بیعت ہوئے۔ شیخ کے پاس ان کا جانا جب سہارنپور ہوتا تو وہ بازار نخاسہ سہارنپور پان کا پچاسا لے لیا کرتے تھے۔ شیخ نے پان لانے کو منع کیا والد صاحب نے کہا میں آپ کے چچا کے لئے استنجے کے ڈھیلے دہلی لے جاتا تھا اور وہ خوش ہوتے تھے۔ شیخ بولے ڈھیلے لے آیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے غرض انہوں نے حضرت سے بیعت کی اور تھوڑی اردو فارسی اور قرآن شریف مکمل پڑھا، پندنامہ کے اشعار وہ سناتے تھے جو انہوں نے نظام الدین دہلی اور حافظ بندو صاحب سے کیرانہ میں پڑھا تھا ایک بار مجھے بچوں کے ساتھ زیادہ ربط وضبط پر فرمایا:

شد دو خصلت مرد ناداں را نشاں
صحبتِ صبیان و رغبت بازناں

انہوں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اکثر وعظ سنے اور پھران کے وعظ ایک آنہ میں بکتے تھے کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی سے وہ لاتے تھے دوبارہ پڑھتے اور سناتے بعد میں مولانا اشرف علی صاحب کے مواعظ رسالہ الابقاء میں چھپنے لگے اور وہ اُس کے خریدار بن گئے۔ مولانا اشرف علی صاحب کی تمام تعلیمات کا پورا اثر اپنے اندر انہوں نے سمو لیا تھا مولانا الیاس صاحب سے خصوصی تعلق بوجہ مولوی عبدالرحیم کو تعلیم دلانے کے رہا کیونکہ مولوی عبدالرحیم صاحب اور مولوی محمد یوسف صاحب ہم عمر تھے اور زیر تعلیم تھے اوائل تعلیم مولانا محمد یوسف صاحب نے دہلی میں اور اواخر مظاہر علوم سہارنپور میں پوری کی۔ ایک بار مولوی الیاس صاحب کے لئے ۲۰ سیر بیر لئے والد صاحب پیدل بوجہ غریبی کاندھلہ نہر کی پٹری سے بڑوت تک گئے پھر ایک آنہ دے کرلونی تک بیٹھ گئے پھر پیدل چلے اور نظام الدین کیرانہ کے شیریں بیر لے گئے۔ مولانا الیاس نے دعا دی اور منع کیا کہ یہ تکلیف مالایطاق ہے اگلی بار آپ استنجے کے ڈھیلے لے گئے کیونکہ نظام الدین میں دور سے لانے پڑتے تھے دہلی نظام الدین کی زمین سخت تھی اس پر بھی مولوی الیاس صاحبؒ نے دعا دی مولوی عبدالرحیم نے نہایت تنگی غریبی مفلسی میں پڑھا۔ نظام الدین سے جو خط کیرانہ آتے وہ خطوط والد صاحب جمع رکھتے اور ہم کو بھی لڑکپن اور بچپن کے دور میں دکھلائے کسی میں لکھا تھا ۸/آنے ہی بھیج دو کسی میں تھا ۱۲/آنے ہی بھیج دو ان دنوں آٹھ آنے بارہ آنے میں مہینہ بھر کا پورا خرچ اوپر کا چل جاتا تھا والد صاحب کیرانہ میں بعد میں مسجد برنہ تلہ میں چھڑیوں محلّہ میں امام ہو گئے اس مسجد میں انہوں نے صرف کھانے پر ۱۵ سال امامت کی عید، بقر عید پر ۱۰۔۲۰ روپے ہو جاتے یا حاجی سبو گوجر فصل پر اناج پہنچا دیتے اس طرح تنگی سے گزر بسر کیا اور بچے پالے۔ آپ کا شجرہ خاندان اس طرح ہے کہ آپ کے والد بیریوں میں حفاظت کے دوران انتقال کر گئے۔ حسینی ان کا نام تھا آپ کے بھائی ممدوح بھی آزاد رو اور جاہل قسم کے آدمی تھے پورا خاندان جہالت رسم و رواج اور بدکاری کا عادی بے پردہ خاندان تھا۔ جس میں آپ پیدا ہوئے صحبتِ بزرگاں نے آپ کی سعید روح کو اپنی طرف کھینچا اور انقلاب پر مائل کیا آپ کی عمر تعلیمی تو گذر چکی تھی مگر مولوی عبدالرحیم کے بنانے سنوارنے میں آپ نے سعی بلیغ کی پیدل اسفار کئے نظام الدین دہلی میں داخل کیا مدرسہ دعائیہ صدر بازار دہلی میں داخل کیا مدرسہ عبدالرب میں داخل کیا اور عملی نمونہ دینی تربیت کا دکھلایا۔ اعلیٰ مظاہر اشاعتِ دین کے دکھلائے اور سنائے جس سے اُن میں قدامت نوازی آئی بعد میں منشی فاضل کا امتحان دینے سے ان میں جدت بھی آئی اور دورِ حاصر کے تقاضوں علوم جدیدہ، فنونِ لطیفہ کو بھی انہوں نے جانا اور میں نے اُن سے عکس جمیل حاصل کیا جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

نظریۂ والد بابت قبر

والد صاحب جب کسی قبرستان سے گزرتے فاتحہ پڑھنی شروع کر دیتے۔ کہتے کہ ہماری ادنیٰ محنت سے ان مرحومین کا بڑا فائدہ ہے یہ معمول ان کا بیل پھوڑ قبرستان مالیان (باغباں) کھرگان روڈ پر اور نوریان قبرستان کاندھلہ روڈ پر میں نے دیکھا وہ کہا کرتے تھے کہ انسان کے چار دور ہیں اولین دور مادرِ رحم دوئم عالمِ دنیا اور سوئم عالم برزخ (علیین۔ سجین) اور چہارم دور آخرت (جنت۔ دوزخ) ہے دور سوئم کا علماء کا اختلاف ہے کہ اس میں جزا و سزا روحانی ہوگی یا جسمانی۔ حضرت تھانوی کہتے ہیں کہ یہ جسم تو یہیں قبر کی مٹی بن جاتا ہے دوسرا جسم مثالی عذاب و ثواب کے لئے دیا جائے گا دوسرے علماء کہتے ہیں کہ برزخ کا عذاب صرف روح کو ہے جو انقطاع انفاس (سانس کا ڈورہ ٹوٹنے پر) سے شروع ہو جاتا ہے اس بات کی تحقیقات کے لئے ''اشرف الجواب دوئم اور جہاں نما'' کتابیں مؤلفہ حضرت تھانوی دیکھیں والد صاحب نے ایک روز حضرت تھانوی کا وعظ آثار المربع دکھایا، مربع سے مراد قبر ہے۔ اس میں زور تحقیق دیا ہے کہ قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں ہے اگر اسی گڑھے کو قبر مانا جائے تو کفار جو جلائے گئے اور جنگلی درندوں نے جن لوگوں کو کھالیا عذاب سے بری ماننے پڑیں گے نہ قبر میں گئے نہ عذاب قبر مسلط ہوا۔ اہل عرب نے مکہ میں کھوکھے بنا رکھے ہیں جہاں صرف چھ ماہ لاش کو مٹی بنانے کے لئے رکھا جاتا ہے پھر نکال کر دوسری لاش رکھ دیتے ہیں جیسا کہ میں نے جنت المعلیٰ جہاں حضرت خدیجہؓ کی قبر ہے دیکھا ہے تو وہ نکالی ہوئی مٹی عذاب قبر سے مامون ہو گئی دوسری بات والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بجلی اور ہوا کی طرح برزخ نے تجرد حاصل کر لیا ہے جس کا مطلب یہ کہ ہوا ہر جگہ ہے چونکہ غیر مرئی ہے دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے ہر جگہ نہیں ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ واقعۂ معراج میں اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر مسجدِ اقصیٰ میں حضور علیہ السلام کے پیچھے اقتداء میں ہیں اور پھر چھٹے آسمان پر بھی چلے گئے اور آپ کو نو بار تخفیفِ صلوٰۃ کے لئے باری تعالیٰ کے پاس بھیجا اور ۴۵ نماز کم ہو کر ۵ نماز رہ گئی سوال پیدا ہوتا ہے ایک ہی رات میں قبر میں موسیٰؑ اور مسجد اقصیٰ میں موسیٰ اور پھر چھٹے آسمان پر موسیٰؑ۔ یہ تین جگہ ایک ہی وقت میں موسیٰؑ کیسے؟ جواب صاف ہے کہ برزخ نے تجرد حاصل کیا جو ہر جگہ ہے اور ہر جگہ نہیں ہے جو ہوا یہاں ہے وہی دہلی میں ہے کلکتہ میں ہے بمبئی میں ہے کیونکہ وہ غیر مرئی اور مجرد ہے اُس نے تجرد حاصل کر لیا ہے اور نظر نہیں آتی محسوس البتہ ہوتی ہے۔ بہت سے مقابر میں دریا رواں ہو گئے بہت سے مقابر میں مکانات کھڑے ہیں اور بہت سے مقابر میں تالاب اور جوہڑ ہیں بہت سے مقابر پر سڑکیں تعمیر ہو گئی۔ یہ صرف پردہ پوشی کے ذرائع ہیں اصل مقام عِلیین و سجین عالم مجرّد ہیں۔ سجین کو اگرچہ ساتویں زمین کے نیچے کہا گیا اور عِلیین کو ساتویں آسمان کے اوپر کہا گیا مگر اُس کا احساس کہیں بھی ہو سکتا ہے بعض واقعات نے ثابت کیا کہ اس کا احساس اسی قبر کے

اندر بھی ہو جاتا ہے یہ کیفیت جب ہے جب حاکم سخت ناراض ہو اور اہل دنیا کو بیدار کرنا چاہتا ہو جیسا کہ بعض قبریں کھولی گئیں ان میں عذاب کا مشاہدہ ہوا مگر اس مشاہدہ کا مدار مستقل نہیں ہے اور قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اسی گڑھے میں عذاب ہو اور یہی وہ گڑھا ہے جس میں غیر مصلی کا استقبال عذاب اور بھینچنے سے ہوتا ہے مصلی کا استقبال خوشبوؤں روح و ریحان اور حجلۂ عروسی کے مانند مقام سے ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے نم کنوم العروس البتہ اس مٹی اور گڑھے سے روح کا ربط دائمی ضرور ہے یعنی اس گڑھے میں روح اگرچہ نہ ہو مگر روح کا علاقہ مستقل ہے اسی لئے زیارت قبور کا حکم ہے گویا یہ قبر اور گڑھا وہ بجلی کا بٹن ہے جس میں بجلی اگرچہ نہیں ہے مگر بجلی سے دائمی علاقہ اس بٹن کا ضرور ہے۔ قُتلیٰ بدر جبکہ جنگ بدر کے اکابر کفار مار کر گڑھے میں ڈال دئے گئے تو آپؐ نے اس گڑھے اور کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو کر کہا هَل وجدتم ماوعد ربّکم حقاً۔ کیا تم کیفر کردار کو پہنچ گئے اور تم نے کفار کے حق میں وعدۂ رب کو پالیا صحابہ نے عرض کیا کیا یہ سنتے ہیں آپ نے فرمایا ماانتم اسمع منھم۔ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ولکن لا یجیبون مگر یہ جواب نہیں دے سکتے۔ نیز حضورؐ نے فرمایا عذاب القبر یسمع من یلیه الا الثقلین کو سب سنتے ہیں مگر ثقلین جن و انسان نہیں سنتے روح جب عالم علیین میں پہنچ جاتی ہے تو وہ واپس عالمِ آسائش سے نہیں آتی البتہ روح کے مؤکل جو قوم جنات سے ہوتے ہیں اور اُن میں صلحاء اور نابکار دونوں طرح کے ہوتے ہیں وہ کارفرما ضرور ہو جاتے ہیں قرآن شریف میں ومنا الصالحون و منادون ذلك ہم میں نکوکار اور بدکار دونوں طرح کے ہیں جب انسان پیدا ہوتا ہے اُس کے ساتھ دو طاقتیں ساتھ ہوتی ہیں روح اور نفس روح وہ اسٹیم ہوا ہے جو کہ بھلے کام کرنے سے خوش ہوتی ہے اور نفس وہ ہوا ہے جو کہ بُرے کاموں سے خوش ہوتا ہے دونوں کے دو مددگار ہیں روح کا مددگار فرشتہ ہے جو پیدا ہوتے ہی انسان کے ساتھ کر دیا جاتا ہے جو کراماً کاتبین سے جدا ہے اور نفس کے مدد کے لئے ایک جن کو مسلط کیا جاتا ہے جو کہ ہمزاد بھی کہلاتا ہے تسخیر ہمزاد کے بارے میں عاملین نے لکھا ہے کہ ہمزاد کی تسخیر عارضی ہوتی ہے دوامی تسخیر دو شخص کے لئے ممکن ہے۔

ا۔ ایک تو وہ جس نے تمام عمر فسق و فجور میں برباد کی ہے ایک بھی نیکی اُس کے نامۂ اعمال میں نہیں ہے ایسوں کی مٹی کی حفاظت بعد الممات ہمزاد کرتا ہے دوسرے وہ جنہوں نے نیکی کا ریکارڈ قائم کیا ہو کبھی بھی کسی کی دل آزاری نہیں کی اور نہ حق اللہ سے غافل ہوئے ایسوں کی مٹی کی حفاظت بعد الممات ہمزاد کرتا ہے اور مٹی کی بے حرمتی پر وہ سیخ پا ہو جاتا ہے۔

یہاں قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں ہے یہ تو مہذب طریقہ میت کی آخری رسوم کا ہے قبر سے مراد برزخ ہے جو کہ انسان کے لئے تیسرا عالم ہے سانس نکلتے ہی روح وہاں پہنچ جاتی ہے اس کو دوسرا جسم عالمِ مثال سے دیا جاتا ہے اس مٹی کو جو ہم نے دفن کی عذاب آخرت ہے عذاب برزخ نہیں ہے کسی آدمی کو دبا دو یا جلا دو، درندہ کھا جائے، سب پر عذاب قبر (برزخی عذاب ہے) ریڑھ کی ہڈی میں کوئی جزو خدا نے رکھا ہے جو نفخہ ثانیہ

کے دن ظاہر ہوگا یہ ریڑھ کی ہڈی کا جزو اپنے باقی ماندہ اجزاء کیلئے مقناطیس بن جائیگا۔ اپنے باقی اجزاء کھینچ کر بحکم خدا بانتظام ملائکہ انسان بن جائیگا۔ یہ سب کچھ اندر زمین ہوگا۔ زمین سے تو انسان پیڑ پودوں کی طرح اُگیں گے اور حشر قائم ہوگا۔ ۱۲ منہ نفخۂ ثانیہ پر بارش ہوگی بجائے درختوں کے انسان پیدا ہوں گے، ہر انسان کو چار عالم سے گزرنا ہے۔

1- ماں کا پیٹ 2- دنیا 3- برزخ 4- آخرت

ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ انسان کے نطفہ کو شکل دے اور روح عالم ارواح سے منتقل کی جاتی ہے اور ایک جن (شیطان) بھی مسلط ہو جاتا ہے گویا روح کا مددگار ایک فرشتہ اور نفس امارہ کا مددگار ایک شیطان (جن) جنات میں صلحاء اور بدکار دونوں ہیں اور انسان اور جن دونوں مکلّف شریعت کے ہیں برزخ میں انسان کی روح سانس کا ڈورہ ٹوٹتے ہی پہنچ جاتی ہے۔ چاہے دفن کرو یا نہ کرو۔ دفن ایک مسنون طریقہ ہے مگر عذاب قبر سے بری وہ بھی نہیں جو مدفون نہیں ہوا۔ قبر سے مراد برزخ ہے جس کے دو حصے ہیں 1- علیین جو کہ ساتوے آسمان پر ہے 2- سجین جو کہ ساتویں زمین کے نیچے ہے گویا پاک روحیں اوپر کو ناپاک دوزخی روحیں نیچے کو گھستی چلی جاتی ہیں۔ قل الروح من امر ربی حکم الٰہی کا دوسرا نام روح ہے جو نیک بات انجام دینے پر خوش ہوتی ہے اور جنتی ہے، نفس امّارہ دوزخی ہے جو عندالموت انسان سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کو عذاب بھی جداگانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو مردود کر دیا تو اُس نے بھی مانگا کیا مجھے کچھ نہیں ملے گا باری تعالیٰ نے کہا تو کیا چاہتا ہے کہا کہ دنیا دار العمل ہے اس میں مجھے بہکانے اور گمراہ کرنے کی مہلت دی جائے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے اَنظرنی الیٰ یوم یبعثون مجھے قیامت تک گمراہ کرنے کی طاقت دی جائے چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا فانک من المنظرین ہم نے تجھ کو طاقت دی۔ موحد کا عقیدہ صاف ہے خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالے انسان کو بھلائی برائی اللہ کی طرف سے ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے پڑوس میں رمضانی فقیر کی بیوی رحمو سے کہا کہ میں نے اپنی بہو رئیسہ کا علاج دیوبند، تھانہ بھون، گنگوہ، دلی سب جگہ مولویوں سے کرایا مگر افاقہ نہیں ہوا میں نے کاہن اور سیانے سے علاج کرایا اُس نے ڈھولکی بجا کر ہانڈی چڑھا کر علاج کیا آج میری بہو نو برنو یعنی ٹھیک ہے۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا یہ کیا ہے والد صاحب بولے اللہ تعالیٰ نے باطل کو قوت ہماری آزمائش کے لئے دے رکھی ہے کہ ہم کہاں تک اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ لوگ کاہن سیانے بھی حکم خدا سے مؤثر بنائے گئے ہیں کون بندہ ان کے پاس جاتا ہے کون اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے نہیں جاتا کیونکہ اِن کے اعمال میں بدروحوں اور مشرکانہ الفاظ سے مدد لی جاتی ہے گویا مومن کے سامنے دو طرح کا پانی ہے نالی کا پانی اور نلکے کا پانی اگر اُنگلی ٹٹّی میں بھر گئی چاہو نل کے پانی سے دھو لو یا نالی کے پانی سے دونوں سے بادی النظر صاف نظر آئے گی نالی کے پانی کے دھونے سے ناپاک اور صاف پانی سے پاک کہلائے گی گویا یہ سب حربے شیاطینی ہمارے آزمانے کے لئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وما انزل علی الملکین

ببابل ھاروت و ماروت وماکفر سلیمٰن ولکن الشیاطین کفرو سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمے جادو کے نہیں سکھائے اور نہ بتائے یہ نسبت سلیمان کی طرف غلط ہے یہ چیزیں زمانۂ سلیمان میں شیاطین کرتے تھے لوگوں کو جادو وغیرہ سکھاتے تھے ہاروت و ماروت بھی جادو سکھانے کے لئے آسمان سے اُتارے گئے تا کہ مومنین اور توابین کی پوری آزمائش ہوجائے فرشتے جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیا کرتے تھے انمانحن فتنۃٌ یعنی ہم لوگوں کی آزمائش کے لئے آئے ہیں فلاتکفر جادو سیکھ کر کافر نہ بنو مگر شیطان نے لوگوں کو ورغلایا اور انہوں نے اُن سے جادو سیکھا ویتعلمون مِنھما مایفرقون به بین المرء و زوجه ایسا جادو سیکھتے رہے جو میاں بیوی میں تفریق ڈال دیتا تھا اور ایمان کی پرواہ نہ کر کے ناری بن گئے۔

اس مضمون کی تائید میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ملفوظات میں نظام الدین اولیاء کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار سلطان جی پر دورہ پڑا اور بے ہوش ہو گئے بڑی مشکل سے ہوش آیا تو مریدین نے پوچھا کہ یہاں ایک جوگی ہے وہ کچھ پڑھ کر مرض کو کھینچ لیتا ہے اور مریض صحیح ہو جاتا ہے آپ کہیں ہم اُسے بلاویں۔ حضرت نے منع فرمایا کہ لوگ غلط پیروی میں پڑ جائیں گے اور آپ کو کئی مرتبہ دورہ شدید ہوا اور آپ بے ہوش ہو گئے ایک بار معتقدین گھبرا گئے اور جوگی کو بلانے کا مشورہ کیا اور کہا حضرت ناراض ہوں گے ہم سہہ لیں گے آپ کی ڈانٹ کو۔ وہ آیا اس جوگی نے پڑھ کر دم کیا اور حضرت ٹھیک ٹھاک ہو کر بیٹھ گئے آپ نے پوچھا تم کو یہ کیسے حاصل ہوا کہا نفس کی مخالفت کے چلہ سے حاصل ہوا کہا تم کو تمہارا ضمیر اسلام کی طرف رغبت نہیں دیتا اور نظریں اس سے ملائیں۔ وہ مسلمان ہو گیا اُس نے جسمانی شفاء دی آپ نے روحانی شفاء دی۔ گویا باطل میں بھی طاقت آیت انظرنی الیٰ یوم یبعثون کے تحت خدا نے آزمانے کو دی ہے۔

مسئلہ تقدیر

جن سات باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں والقدرِ خیرہ وشرّہ من اللہ بھی ہے۔ جو ایمان مفصل آمنت باللہ الخ کا جزو ہے۔ یعنی جو کچھ بھلا برا پیش آتا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہے۔ حدیث پاک میں ہے ''کہ لوحِ محفوظ میں انسان کا کچّا چٹھا جو وہ زندگی بھر کریگا لکھ دیا گیا ہے۔ قدر کے لفظی معنی اندازے کے ہیں۔ ایک اندازہ انسان کا ہے۔ اور ایک اندازہ باری تعالیٰ کا ہے۔ جس میں خطا ممکن نہیں۔ اگر حکیم اندازہ کرے کہ یہ بیمار بد پرہیزی کریگا اور اس میں چل بسے گا تو اس اندازہ کرنے میں حکیم کا بیمار بنانا یا مارنا ثابت نہیں ہو سکتا۔ مگر چونکہ حکیم کا اندازہ بشرِی ہے اس لئے خطا پر مبنی ہو سکتا ہے۔ مگر اندازہ الٰہی قطعی ہے جس کی تفصیل لوحِ محفوظ میں ہے۔ صاحب قصص الانبیاء مترجم غلام نبی ابن عنایت اللہ کمرلائی نے ان چار باتوں میں تقدیر اور اندازہ کو قطعی نہیں مانا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ چار باتوں میں انسان کی تقدیر معلق ہے (موقوف ہے) اور وہ چار بات عمر، رزق، دوزخی، جنتی ہونا ہے۔ باقی باتوں میں تقدیر مبرم ہے جو ہر حال میں پیش آنی ہے چاہے اس وقت بندہ اعمال خیر پر ہو یا اعمال شر پر۔ بہر کیف ہم کو مسئلہ تقدیر کو سمجھنے سے پہلے توحید کو سمجھنا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ بلاشرکت غیرے فائلِ مختار ہے۔ ظالم نہیں ہے کیونکہ ظلم کی تعریف دوسرے کی چیز میں تصرف کہلاتا ہے۔ اگر ہم اپنے کپڑے کو پہنیں یا جلائیں، ہم ظالم نہ کہلائیں گے۔ دوسرے کے کپڑے کو پہننا یا جلانا بلا اجازت ظلم ہے۔ اگر اللہ تعلیٰ سب کو بخش دے کسی کو بھی دوزخ میں نہ ڈالے تو اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ اگر سب کو دوزخ میں ڈال دے تو بھی وہ اختیار کلی رکھتا ہے۔ اگرچہ اللہ کی عادت عدل کی ہے مگر وہ نہ عدل کرے تو اسے اختیار ہے۔ برخلاف شیعہ حضرات کے کہ ان کے نزدیک خدا پر عدل کرنا انصاف کرنا واجب ہے سُنی لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ اگر خدا پر عدل واجب ہے تو واجب کرنے والا کون ہے۔ خدا سے برتر کون سی ذات ہے جو خدا پر واجب کرے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کو فائل مختار ماننا ہوگا۔ مگر اللہ تعلیٰ کو تقویٰ (ڈر) پسند ہے۔ ڈھیٹ کرنا خصلتِ شیطانی ہے۔ بندوں کی چھوٹ اور بخشش فضل رب میں ہے۔ عدل رب میں نہیں۔ وسعت رحمتی علیٰ غضبی سے یہی اشارہ ملتا ہے عدل میں تو بڑے بڑے مقبولین کو بھی گرفتاری کا ڈر ہوگا۔ جیسا کہ حشر کا منظر دلالت کرتا ہے۔ الغرض اچھا یا برا من جانب اللہ ہے۔ مگر اس کی نسبت باری تعلیٰ کی طرف کرنا بھی بے ادبی ہے۔ خدا کو ڈر عاجزی پسند ہے۔ کبر و نخوت اور غرور پسند نہیں۔ واقعہ ذیل اس کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مرتبہ محمود غزنوی بادشاہ نے برسرِ دربار حالِ نشہ میں یہ کہہ دیا کہ لاؤ وہ لعل جو بیش قیمت اور بے بہا ہے اُس کو لا کر میرے سامنے توڑ دو، حسن میمندی نہایت زیرَک وزیرِ اعظم تھا سینے پر ہاتھ رکھ کر آداب بجالایا اور عرض کیا کہ جہاں پناہ اس مذکورہ لعل کی شہرت اور نُدرت تمام ممالک ہمسایہ میں باعثِ افتخار ہے، کیونکہ وہ نہایت روشن اور بے مثال ہے، بندے کی جرأت نہیں ہے کہ غزنین کو مفلوک الحال بنادے۔ بادشاہ نے دوسرے وزراء سے بھی لعل توڑنے کو کہا سب نے معافی چاہ لی۔ آخر میں محمود نے اپنے مایۂ ناز غلام ایاز کو بلایا اور کہا کہ شاہی خزانے سے لعل نکال کر برسرِ دربار توڑ دو، ایاز نے لعل منگا کر پتھر سے توڑ ڈالا، سب درباری ایاز کی جرأت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دربار موقوف ہونے پر انہوں نے ایاز کو لعنت ملامت کی اور کہا کہ تو نے بادشاہ کی حالتِ نشہ کا بھی لحاظ نہیں کیا تو ہم سے زیادہ مزاج شناس ہے۔ ایاز نے کہا میرے نزدیک بادشاہ کا حکم ٹوٹنا بھاری ہے لعل کے ٹوٹنے سے۔ اگلے دن جب دربار منعقد ہوا تو محمود نے نشہ کا استعمال نہیں کیا تھا۔ بادشاہ نے فوراً ایاز کو طلب کیا اور کہا کہ تم نے لعل کیوں توڑا۔ ایاز کہہ سکتا تھا کہ حضور کا حکم جس کی تعمیل ضروری جانی مگر ایسا جواب نہیں دیا بلکہ کہا حضور خطا ہوئی مجھے معافی دے کر احسان مند فرماویں۔ بادشاہ کو یہ جواب پسند آیا اور درگذر کی۔

اسی طرح سے سب حرکات کائنات کی اُسی باری تعالیٰ کی منشا پر ہیں کیونکہ وہ فاعل مختار ہے مگر برائی کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کرنا بھی گستاخی ہے۔ بندے کی شان، خوف اور تقویٰ پر ہونا ہے۔ ورنہ پکڑ

کا ڈر ہے۔ تقدیرِ معلق میں دعا اور صدقہ کرنا بھی مؤثر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صدقہ بلا کو ٹالتا ہے بندے کی تقدیر بدلنے پر خدا قادر ہے مجبورِ محض نہیں جیسا کہ علامہ اقبالؔ نے کہا ہے ۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نیز دوسری جگہ کسی نے کہا ہے ۔

تدبیر کے دستِ زرّیں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی ساتھ دیتی ہے جب کوششِ انساں ہوتی ہے

قرآن شریف میں بھی ہے 'خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت بدلنے کا'۔ نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے 'یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ عِنْدَہٗ اُمّ الْکِتَابُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مسئلۂ تقدیر میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا۔ ایک بار جب مسجد نبوی میں یہ مسئلہ تقدیر پر صحابہ الجھ رہے تھے تو غصّے سے حضور کا چہرہ لال ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ بھی اس مسئلے میں بحث کر کے ہلاک ہو چکے ہیں، دراصل یہ مسئلہ شرحِ صدر سے سمجھ میں آتا ہے۔ حاجی امداد اللہ کا یہی قول ہے۔ بحث اور کھوج کرید سے یہ مسئلہ اور الجھتا ہے۔ حضرت عمر کافی دن اس میں غلطاں رہے۔ اور حضورؐ خاموش رہے، آخر ایک دن حضرت عمر نے فرما ہی دیا کہ حضور اس مسئلے میں مجھے شرحِ صدر ہو گیا ہے۔ تمام کائنات خدا کے اشارے پر کام کر رہی ہے، اپنے کو کوئی دخل نہیں وہ فاعل مختار ہے، حضور نہایت مسرور ہوئے، اور فرمایا الآن یا عمر اے عمر اب تم ٹھکانے پر آئے ہو۔ صوفیاءِ کرام نے بھی کہا ہے ۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اور ہندی شعراء بھی اس طرف گئے ہیں، کسی نے کہا ۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کمند
جبکہ دو چار ہاتھ لبِ بام رہ گیا

نیز اُس کے مترادف، امیر مینائی لکھنوی نے کہا ۔

کچھ خطا اُن کی نہ تھی بگڑی ہوئی تقدیر تھی
تیوری بدلی ہوئی ایک مثالِ تیر تھی

علامہ اقبالؔ نے بھی کہا ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خودنوشت: حاجی ماسٹر محمد شمس الاسلام مظاہری (ایم۔اے)

خدا خود پوچھے یہ بندے سے بتا تیری رضا کیا ہے

نیز علامہ اقبال نے کہا،

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مندرجہ بالا شعر دلالت کرتا ہے، کہ خدا کے خاص بندے محتاجِ نوشتۂ تقدیر نہیں ہیں، یہی اشارہ اس حدیث کی طرف بھی ہے کہ خدا کے خاص بندے اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اُن کو بری کر سکتا ہے اور قسم پوری کر دے گا۔ اُن کو ذلیل نہ ہونے دے گا۔ مولانا رومی نے بھی کہا ہے ۔

گدائے میکدا ام لیک وقتِ مستی بیں
کہ امر بر فلک و حکم بر ستارہ کنم،

یعنی اگرچہ میں میکدۂ توحید کا ایک ادنیٰ فقیر ہوں لیکن مجھ پر جب نشۂ توحید سوار ہوتا ہے تو بحکم باری تعالیٰ آسمان اور ستاروں پر بھی میرا حکم چلتا ہے۔ خلافِ عادت باتوں کا اظہار بعض ولیوں سے بھی ہوا جیسا کہ بزرگ امام رفاعی کے لیے حضورؐ کا ہاتھ مصافحہ کو قبر سے نکلا اور کسی قوال نے نظم مرثیہ نظام الدین اولیاء پر پڑھی اور کہا ۔

سرو سیمینا بصحرا می روی
سخت بے مہری کہ بے ما می روی
اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشہ می روی

نظام الدین اولیاء کا ہاتھ جنازہ سے باہر نکل آیا تھا، اُس وقت کے علماء نے اُس قوال کو آگے پڑھنے سے منع کر دیا۔

اسی پر کہنا پڑتا ہے ۔

کارِ پاکاں را قیاس بر خود مگیر
گر چہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت عمر کا پرچہ دریائے نیل کے نام خوارق عادات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشنودیِ خاصانِ خدا بھی چاہتا ہے۔ باری تعالیٰ کو وہ بندہ پسند ہے جو اپنی خطا سے ڈرتا ہو خطا کی تلافی میں لگا ہو اُس پر مداومت نہ کرے اور خدا کو غفور الرحیم جان کر مطمئن نہ بیٹھ جائے۔ ویسے حدیثوں سے ثابت ہے کہ پارسا بندے کے دماغ میں ہوتا ہے 'کرنہ ڈر' نہ خطا کی نہ عذاب کا ڈر۔ ایسے بندے کے مقابلے میں وہ بندہ پسند ہے

جو گنہگار، خطا کار رہو اور ڈرتا ہو۔ایک بار نظام الدین اولیاء کی خدمت میں سوال کیا گیا۔خدا کو گنہگار بندہ پسند یا پارسا، آپ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل کے نبی کے سامنے بھی یہ سوال آیا تھا نبی نے یہ جواب دیا کہ میں وحی کے ذریعے باری تعالیٰ سے پوچھوں گا۔حضرت جبریلؑ کے آنے پر آپ نے پوچھا، گنہ گار بندہ پسند ہے اللہ کے نزدیک یا پارسا، جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ’کل جو آدمی سب سے پہلے شہر میں داخل ہو اُس سے پوچھنا‘ اگلے دن اُس شہر میں جو آدمی وارد ہوا، اُس کے ہاتھ میں کپڑوں کی گٹھری تھی اس کے چاروں طرف لوگ ہو گئے اور پوچھا، خدا کو گنہ گار بندہ پسند ہے یا پارسا، اس پر وہ بولے میں کپڑا بیچنے آیا ہوں، جولاہا ہوں، اور سرائے میں ٹھہرا ہوں، کل کو اس کی بکری شروع ہوگی، تمہارے سوال کے جواب کا مجھے پتہ نہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ میں تانے بانے کا کام کرتا ہوں اور اگر اس میں کوئی تاگا ٹوٹ جاتا ہے تو جب میں اُس کو وہاں سے جوڑتا ہوں تو دوبارہ نہیں ٹوٹتا چاہے دوسری جگہ سے ٹوٹ جائے۔لوگوں نے اُس کے جواب کو وقت کے نبی سے آگاہ کیا نبیؑ بولے یہی تو تمہارا جواب ہے، اگر اتفاقاً کوئی خطا ہو جائے اور آدمی توبہ کرلے پھر وہ گناہ نہ ہو، تو ایسا بندہ خدا کو پسند ہے۔جس طرح کسی وجہ سے دھاگا ٹوٹ گیا یعنی گنہ ہو گیا، پھر توبہ کا جوڑ لگایا، بشرطیکہ توبہ سچی ہو، ڈھکوسلہ نہ ہو۔

خطا کار اور تائب بندہ عابد اور گھمنڈی سے بہتر ہے،،

حدیث ہے۔لو لم تذ نبو الذ هب الله بكم ثم لجاء بقوم یذ نبو ن و یستغفر و ن فیغفر الله لهم (بخاری)

جنّتی دوزخی کی پہچان

جو آدمی دوزخی ہے، اُس کو دوزخ کے کام برے کام آسان ہو جاتے ہیں، جنّتی کاموں سے اسکو فرار رہتا ہے، جیسا کوئی آدمی نماز کو جانا آسان سمجھتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دیتا ہے۔اور بعض آدمی اس طرح نماز کو جاتے ہیں جس طرح گائے کمیلے میں کٹنے کے لئے جاتی ہے، کیونکہ وہ جہنمی ہیں، جنّت کے کام اُس کو بھاری ہیں۔اسی طرح جو لوگ جنّتی ہیں اُن کو جہنم کے کام بھاری ہیں۔اُن کو اگر لالچ دو کہ تم نماز اور سچ کو چھوڑ دو تو وہ کبھی تیار نہیں ہوں گے۔جو جس کے لئے پیدا ہوا وہ کام اُسے طبعاً آسان ہے۔جو آدمی تبدیلی چاہتا ہے اور اپنے رب سے نیک توفیق مانگتا ہے بزرگوں سے دعا کراتا ہے، تو صاحبِ قصص الانبیاء کے مسلک کے مطابق شقی سے سعید بن جاتا ہے دوزخی سے جنّتی ہو جاتا ہے بعض لوگوں نے عذاب برزخ کو ایسا مانا ہے جیسا کہ آدمی خواب میں دیکھتا ہے چونکتا ہے ڈرتا ہے، مرتا ہے مارتا ہے، طرح طرح کی تکالیف خواب میں برداشت کرتا ہے، خدا سے نیک توفیق کا طلب گار رہے یہی سعادت مندی ہے۔دنیاوی ترقی کی کوئی حد نہیں ایک سے ایک بڑھ کر ترقی یافتہ دنیا دار ہے، اتنا ہی کافی ہے آدمی کسی کا محتاج نہ رہے باعزت زندگی گزارے۔

ایک شخص نے بہت وظیفے خواجہ خضر کی ملاقات کے لئے پڑھے، بالآخر اس کو دو ماہ کی چلہ کشی کے بعد خواجہ جامع مسجد دہلی کی پیڑیوں پر مل گئے۔پوچھا کیا چاہتے ہو کہا ’بےفکر ہونے کی دعا چاہتا ہوں‘۔کہا کہ بےفکر ہونے کی دعا ناممکن دعا ہے۔بولا دلی میں ایک سے ایک بےفکر جیسے پتہ نہیں کدھر سے کدھر سورج نکل رہا ہے۔خواجہ بولے چلو ڈھونڈھ لو میں ویسا ہی ہونے کی دعا کردوں گا۔اس شخص نے ساری دلی چھانی کسی نے کسی دکھ کو ظاہر کیا کسی نے کسی دکھ کو، کوئی مکان کا غم کوئی تندرستی کا غم، کوئی بیوی کا غم، کوئی عہدہ کا غم لئے بیٹھا ہے۔یہ شخص چکرا گیا۔اخیر میں اُس نے ایک شخص کے ذریعہ زرق برق دوکان صرافہ کی دیکھی اور اولاد خوب صورت اس کے حکم کے تابع کام کرتی نظر آئی۔سوچا اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا مگر پہلے معلوم کرلوں کیا پتہ کیا بھید نکل آوے۔نوکر سے ملنے کی خواہش کی مالک دوکان صرافہ نے اندر بلا لیا اس نے کہا ہمارے رشی ولی مستجاب الدعوات ہیں ان سے آپ جیسا بےفکر ہونے کی دعا کرانی ہے وہ بولا خدا دشمن کو بھی مجھ جیسا نہ کرے۔ایک بار میری بیوی بیمار ہوئی جینے کی امید نہیں تھی میں اس کے سرہانے رونے لگا وہ بولی کیوں روتے ہو میرے مرنے پر دوسری کر لینا میں نے کہا میں نہ کروں گا۔بیوی بولی لوگ ایسا کہہ دیتے ہیں پھر دوسری کر لیتے ہیں۔بیوی کے مرنے کے غم سے طعنہ برداشت نہ کر سکا اور اُسترہ سے اپنا عضو مخصوص کاٹ لیا۔خدا کا کرنا دو چار دن میں میرا زخم مندمل ہو گیا اور بیوی بھی ٹھیک پہلے سے زیادہ ہوگئی اور میں بےکار ہو چکا تھا۔یہ جو اولاد تم کو نظر آ رہی ہے میرے نوکروں کی ہے۔میں بیکار ہوں۔کیا یہ غم میرے لئے کم ہے۔دیکھتا ہوں غم کے گھونٹ پیتا ہوں۔غرض حسبِ وعدہ خواجہ خضر ملے بولے کسی کو بےفکر دیکھا کہا ’نہیں‘ کہا جاؤ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

ایمان اور اسلام

ایمان باطن کا سدھار ہے اور اسلام ظاہر کا سدھار ہے۔ایک شخص نے نماز پڑھی، شرائطِ نماز پوری کی اور اندرونی فرائض وواجبات کا انتظام رکھا اُس کی نماز از روئے اسلام ہوگئی۔مگر ایمان کے اعتبار سے نہ ہوئی۔ایمان دل کی حاضری بھی چاہتا ہے۔جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے ؎

نمازِ زاہداں رکوع و سجود
نمازِ عاشقاں ترکِ وجود

آپ بیتی مصنفہ شیخ الحدیث میں ذکر ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایک بار وارد سہارنپور ہوئے۔اور دل میں ٹھان لی آج مولانا حضرت زکریہ صاحب شیخ الحدیث سے ایسا سوال کروں گا جس کے جواب سے وہ معذرت چاہیں گے، انہوں نے آتے ہی حضرت سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ حضرت نے جواب دیا تصوف کا پہلا مرتبہ نیتوں کا سدھار ہے، یعنی اخلاص پیدا کرنا اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ نماز ایسے پڑھی

جائے کہ خداکو دیکھ رہاہے۔اسی واسطے نماز کومومنین کی معراج کہاہے،معراج میں دیدارِ خداوندی ہواتھا۔مولانا حبیب الرحمٰن حضرت شیخ کے جواب سے دم بخود رہ گئے۔اورایمان درمیان امید وڈر کے ہے۔ یعنی اس طرح بندہ امید وارِ رحمت بنے کہ میں بخشا جاؤں گا باقی سب کا پتہ نہیں۔جیسا کہ سعدی نے کہا ہے: ’کہ اللہ اگر کرم کا ایک ڈنکا لگادے،تو شیطان بھی اُمیدوار ہوگا شاید میں بھی بخشا جاؤں‘۔اوراس درجہ خواہش بھی ہونا ضروری ہے کہ اگر قیامت میں اعلان ہوایک دوزخی ہے باقی سب جنّتی تو یہ شخص خیال کرے کہ میں ہی وہ دوزخی ہوں۔گویاایمان امید وڈر کے بیچ میں ہے۔مغفرت سے ناامید ہونا بھی کفر ہے، چونکہ یہ خاصیت قرآن کریم کے لفظوں میں کافروں کی ہے۔اللہ تعالیٰ اگر غضب کی نِدا کرے تو ہر وقت کے پاس رہنے والے فرشتے بھی دم بخود ہوجائیں۔اللہ تعالیٰ بندے کے گمان کے ساتھ ہے نااُمیدی کفر ہے۔اللہ تعالیٰ اگر پکڑ کرنے لگے بندے کی کرتوتوں پرتو کوئی حیوان پکڑ سے نہیں بچے گا(سورہ رعد)۔الغرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لیاقت واستعداد ہر شخص کو میسر ہے۔اگر وہ اس لیاقت پر رہتا ہے اور راستی اختیار کرتا ہے۔تو خدا کی توفیق بھی شامل ہو جاتی ہے۔ورنہ جسے اپنی فکر نہیں خدا بھی اس سے بے فکر ہے۔بے نیاز ہے۔منجانب اللہ دی ہوئی لیاقت کونہ کھوئیے تلاش حق اپنی فطرت جانئے۔

خضر سے تذکرہ والد اور خواجہ خضرؒ سے ملاقات

خیر والد صاحب نے جوانی میں اردو فارسی اور قرآن شریف کی تعلیم مرکز نظام الدین میں حضرت مولانا محمدؒ صاحب برادر بزرگ مولانا الیاسؒ صاحب سے حاصل کی اور راسخ العقیدہ مسلمان بنے البتہ ازدواجی تعلقات برادری میں کرنے پڑے آپ پہلے لینڈیان محلہ بساطیان آبائی مکان سے منسلک رہے بعد میں کیرانہ کے مکانوں میں محلّہ چھڑیان میں رہے پھر آپ نے بہ اجازت پیر جی ہادی جھونپڑی قبرستان میں ڈالی اور رہنے لگے پھر اُس جھونپڑی کے قریب آپ نے رہائشی مکان اینٹوں کا نہیں بلکہ جھاووں کا بنوایا اور رہنے لگے اسی مکان میں متصل آپ نے دوسرا کوٹھا بھورے معمار سے دویم اینٹوں کا بنوایا جو کہ کافی عرصہ ۱۹۶۴ءتک قائم رہا اس طرح دوکوٹھے بن گئے۔شمال رویہ ومشرق رویہ اسی میں بیری کا درخت بھی اور ایک نیم بھی والد صاحب کی یادگار تھا بعد میں ۱۹۶۴ء میں بڑے بھائی مولوی عبدالرحیم نے مکان کو دوبارہ تعمیر کرایا جو کہ سیمنٹ کا بنا والد صاحب اپنے دورحیات کا ایک واقعہ سناتے تھے کہ میں اپنے لڑکے قاری حبیب الرحمٰن سے ملنے کے لئے جو کہ پانی پت رانی محل کی مسجد میں تھے جہاں کثرت سے مکان رانیوں کے تھے کیرانہ سے پانی پت کے لئے چلا اور راستہ پیدل کا اونچا راستہ اختیار کیا جو کہ پتھر گڑھ ہوکر جاتا تھا راستہ میں موضع پتھر گڑھ تھا جہاں حکیم عبدالمجید

صاحب کے یہاں قیام کرنا تھا راستہ میں بہت گھنا جنگل ڈھاک کے پیڑوں کا تھا اسی گھنے جنگل میں ایک صاحب سفید لباس سبز عمامہ والے نمودار ہوئے اور انہوں نے السلام علیکم کیا اور مزاج پرسی کی اور پوچھا کہاں سے آرہے ہو کہاں جانا ہے کوئی مشکل تو درپیش نہیں والد صاحب نے کہا نہیں پھر انہوں نے مصافحہ ملایا اور کہا اگر کوئی پریشانی سامنے ہو تو بیان کرو والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ خواجہ خضر کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے چنانچہ مصافحہ کرتے وقت احساس ہوا اور یقین ہوگیا کہ یہ خواجہ خضر ہیں انہوں نے والد صاحب سے پوچھا میں چلتا ہوں اب بھی بتادو اگر کوئی پریشانی ہو والد صاحب نے کہا مجھے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہے وہ دعا دیتے ہوئے رخصت ہوگئے اور میں بہ جانب پانی پت گامزن ہوگیا راستہ میں کچھ گھنٹے حکیم عبدالمجید صاحب سے بات چیت ہوئی اور پانی پت پہنچ کر حبیب الرحمٰن اپنے صاحبزادہ کو مدرسہ اشرفیہ میں داخل کیا اور قاری فتح محمد صاحب مرحوم ان کے استاد مقرر ہوئے۔قاری صاحب اس وقت شاطبیہ کا مطالعہ کررہے تھے۔اور سماعت ہورہی تھی۔

ذکر قاری فتح محمد صاحبؒ کا

قاری فتح محمد صاحب ایک جید قاری تھے جو کہ بعد میں مکہ معظّمہ میں غالباً ۱۹۶۴ء میں ۱۷۰۰ ریال پر مدرس تجوید رکھے گئے تھے بعد میں مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوگیا ان کے شاگرد ہندوپاکستان میں بے شمار ہیں ان کا تعلق راعین برادری سے تھا اور وہ محمد پور موضع میں ہی بیاہ دئے گئے تھے ان کی زوجہ محمد پور راعین کی تھی نہایت خوش مزاج تھے عشرہ قرأت پر ان کو عبور تھا حالانکہ ان کے استاد قاری محی الاسلام حاوی سبع قرأت تھے کیرانہ وہ حافظ نور احمد کلن کے یہاں پوسٹ خانہ والی مسجد میں یا پھر حافظ کالے روغنگر کے ہاں سرائے والی مسجد میں قیام کرتے تھے جب وہ پاکستان چلے گئے اور شکارپور ضلع سکھر میں قیام پذیر ہوگئے اور مدرسہ تجوید القرآن جاری کیا تو میں نے طلب خیریت کا ایک خط ان کو لکھا ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا جی آپ سے ملنے کو چاہتا ہے تو قاری صاحب نے حافظ عبدالمقیط اپنے شاگرد سے ایک خط لکھوایا جو بہت باریک خط میں تھا خط کیا تھا لفافہ تھا اس میں مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا محمد خالد صاحب۔حافظ نور احمد عرف کلن حافظ کالے اور تقیہ نامی مسماۃ کو سلام لکھے والد صاحب کو بھائی حبیب الرحمٰن کو بھی پوچھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر آپ کو پاسپورٹ میں لکھوانے کو کوئی نام پاکستانی رشتہ دار کا نہیں ملتا اور آپ پاسپورٹ بنوانا چاہتے ہوں تو میرا ہی نام بطور خادم پاسپورٹ میں لکھوادیں اور آجائیں میں حضرت قاری صاحبؒ کے اس خط کو پڑھ کر پسینہ پسینہ ہوگیا اور سوچنے لگا

جو کہ نوری تھے گئے افلاک پر — مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
صلاح کار کجا و منِ خراب کجا — ببین تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

کتنی شفقت آپ کو اپنے ادنی ملنے والوں سے تھی میں تو شاگرد بھی نہیں قریبی دورحیات میں رابطہ بھی نہ تھا پھر کسر نفسی کس قدر تھی یہ سب دبستان تھانہ بھون کا اثر تھا میں نے اپنے خط میں ختم پر دستخط کئے۔ شمس الاسلام مظاہری اِس پر لکھا کہ آپ مظاہری کب سے ہو گئے اور لکھتے ہیں کہ میں سوچتا ہوں کہ کوئی لقب اپنے نام کے آگے جوڑوں جس طرح دوستوں نے اپنے مبارک ناموں کے آگے جوڑ رکھے ہیں مگر اس میں آپ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں میں نے جواباً لکھا کسی لقب کو جوڑنا چاہے وہ چشتی ہو سید ہو یا علوی ہو یا قاسمی، مظاہری ہو کمزوری کی دلیل ہے کوئی اظہار عالی خاندان کرتا ہے کوئی اپنے عالی مسلک ہونا ظاہر کرتا ہے کوئی اپنی اسناد کا اظہار کرتا ہے آپ تو آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق اپنی مثال آپ ہیں آپ کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے ہمارا تعارف تو انہی ریا کاریوں کی بیساکھی پر قائم ہے آپ مبرا ہے۔

میں بچپن میں ایک سال تک پانی پت بھائی حبیب الرحمٰن کے پاس بھی تقسیم سے پہلے ۴۶ء میں رہا وہاں میں قاری محمد قاسم صاحب شاگرد قاری محی الاسلام صاحب سے گھر پر ضیاء التجوید اور فیض العزیز پڑھتا تھا مشق بھی کرتا تھا بھائی صاحب اس وقت پانی پت دال منڈی کی مسجد میں امام تھے۔ ۴۶ء میں ہندو پاکستان کی بحث ہر کوچہ و برزن میں جاری تھی جو کہ دو کانوں پر میں سنتا تھا ایک صاحب مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا نظریہ بیان کرتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جہاں پاکستان بنانا چاہتے ہو وہاں پہلے سے پاکستان ہے مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ یو۔ پی اور سی۔ پی کا کیا ہوگا یہاں کی مساجد مقابر اور بزرگوں کی خانقاہوں کو لاوارث چھوڑ کر پاکستان بنانا چاہتے ہو گویا کانگریس کا نظریہ متحدہ ہندوستان تھا اور مسلم لیگ جداگانہ انتخابات اور جداگانہ اسٹیٹ (پاکستان) کی حامی تھی آخر کار پنڈت جواہر لال نہرو نے نمایندہ کانگرس کی حیثیت سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند کو کہہ ہی دیا کہ ہمیں تقسیم منظور ہے گویا مسلم لیگ ایک زہر ہے جس کا جسم سے الگ ہونا ہی بہتر ہے ورنہ تمام جسم خراب ہو جائے گا مگر نہرو جی نے مسلم زہر کو تو راوی پار دھکیل دیا۔ مگر ہندو زہر نے ان کو آگھیرا جس کا نتیجہ قتل گاندھی ماضی میں ان کے دور حیات میں ہی نمودار ہوا جو بے شمار فسادات کو پورے ملک میں تسلسل کے ساتھ لایا جن کی تحقیقاتِ جرم اور دادرسی بھی مشکل ہو گئی۔ ۴؍جنوری ۴۸ء کو جب میں برلا مندر گیا، گاندھی جی اپنی پرارتھنا کر رہے تھے۔ پرارتھنا دعائیہ جلسہ شروع ہونے سے پہلے وہ الحمد شریف، گیتا اور بائبل کو پڑھوایا کرتے تھے پھر اونکی دُھن رگھو پتی راگھو راجا رام شروع ہوتی تھی۔ دعائیہ جلسہ کے بعد گاندھی جی سے نہرو پٹیل وغیرہ نے برت کھولنے کا اصرار کیا کیونکہ وہ دہلی فسادات کے بند کرانے پر برت رکھے ہوئے تھے سب نے کہا کہ دہلی میں امن ہو گیا ہے مگر گاندھی جی نے یقین نہ کیا نہ برت کھولا اور کہا جمعیتی مولوی صاحبان کہاں ہیں، سبحان الہند، مولانا احمد سعید مجاہد ملت، مولانا حفظ الرحمٰن کو بلوایا گیا انہوں نے برت کھلوایا

گاندھی جی جوانی میں بزمانہ مولانا اشرف علی صاحبؒ اگرچہ طاغوت ہوں مگر کبرسنی میں صلح کل کا نمونہ تھے۔ افسوس ہے کہ جمعیۃ علماء بھی دو بن گئی ایک ملی جمعیۃ کے نام سے بھی چلی تھی اور علماء مسلکی جھگڑوں میں الجھ گئے اس پر یاد آتا ہے۔

بے ادب را علم و فن آموختن
دادنِ تیغِ ست دستِ راہزن

والدصاحب کے مزید حالات

خیر ذکرِ خیر والد صاحب کا کر رہا تھا والد صاحب کا تعلق موضع شمشاد پور جہانپورہ کے گوجروں سے بھی کافی رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ والد صاحب حضرت تھانوی کے تمام وعظوں میں شرکت کرتے اور چھپنے پر خریدتے جو کہ ایک رسالہ میں آتے تھے جو کہ کتب خانہ اشرفیہ جامع مسجد دہلی سے جاری تھا۔ نام اس کا الابقاء تھا۔ حضرت تھانوی کے مواعظ کی تسوید اجمالی مولانا ظفر احمد مرحوم یا مولانا سعید احمد صاحب مرحوم اُن کے بھانجے فرمایا کرتے تھے غرضیکہ والد صاحب کا حضرت تھانویؒ سے قریبی واسطہ رہا حضرت تھانوی نے ایک مرتبہ ان کی سادگی کو دیکھ کر اپنے مریدین حاجی شمشاد علی ساکن ڈھاکہ دہی خلیفہ مجازین بیعت کی موجودگی میں فرمایا کہ صحابہ کی زندگی ملا کمال شاہ کی زندگی ہے بس پھر کیا تھا رجوع خلایق والد صاحب کی طرف ہو گیا ایک واقعہ حاجی عاشق الٰہی مقیم رامپور منیہارن خلیفہ حضرت حاجی شمشاد علی ڈھاکہ دہی کے مرید حافظ رفیق احمد ساکن تیتروں نے مجھے سنایا اور میں سن کر حیران رہ گیا۔ پچھلے سال ۲۰۰۳ء میں تبلیغی سفر تین روز کا سہارنپور پوری جماعت کا طے ہوا مجھے اسکول سے چھٹی نہ مل سکی میں نے جماعت والوں سے کہہ دیا میں مرکز تبلیغ مسجد بنجاران، سہارنپور میں انشاءاللہ عصر تک پہنچ جاؤں گا میں اسکول ورک کو مختصر کر کے شاملی بس سے سوار ہوا ساتھ ہی ایک سادہ لباس باریش بزرگ بھی برابر میں سیٹ پر شاملی سے میرے پاس آموجود ہوئے انہوں نے ہی سلسلہ کلام کو جاری کرتے ہوئے وطن مالوف کو پوچھا میں نے کہا میں کیرانہ کا رہنے والا ہوں سہارنپور جا رہا ہوں انہوں نے کہا کیا آپ ملا کمال شاہ کو بھی جانتے ہیں۔ میں والد صاحب کا نام سن کر چونکا یہ ان کے جاننے والے کہاں سے آ گئے میں نے اپنا تعارف کرانا مناسب نہ جانا اور پوچھا آپ کن کے بارے میں پوچھ رہے ہیں انہوں نے کہا میں ملا کمال شاہ ساکن محلّہ چھڑیان کیرانہ کے بارے میں معلوم کر رہا ہوں جواب انتقال کر گئے ہیں میں نے کہا آپ کون ہیں انہوں نے بتایا میرا نام حافظ رفیق احمد ہے۔ میں تیتروں کا رہنے

والا ہوں اور میں موضع جہانپورہ جو کیرانہ سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر بجانب مشرق گاؤں ہے اس میں امام تھا اور چونکہ میرے پیر حاجی عاشق الٰہی رامپوری کو حضرت سے عقیدت و محبت ہے اور ملنے ان سے کیرانہ جایا کرتے تھے اسی نسبت سے میں بھی ملاجی کو صاحبِ تصرف جانتا تھا اور ان کی حیات کو صحابہ کی حیات سے منطبق پاتا تھا میں چھٹریوں پر آٹھویں دن بروز جمعہ آتا اور ملاجی سے واقعاتِ بزرگان پر سیر حاصل گفتگو کرتا تھا ایک روز مجھے حضرت کے مقام اور تصرف کی تلاش ہوئی اور میں نے کہہ دیا کہ ملاجی آج تو لطفِ خاص سے کچھ کھلا دو ملاجی بولے بولو کیا کھانا چاہتے ہو میں نے کہا کیا آپ ضرور کھلا دیں گے جو میں کھانا چاہتا ہوں۔ کہا ضرور کھلا دوں گا۔ میں نے کہا ضرور کھلاؤ گے؟ کہا ہاں ضرور۔ میں نے بھری سردی کا مہینہ تھا میں نے کہا میں تو تربوز کھاؤں گا ملاجی نے کہا مکان میں سیدھے صحن میں گھڑونچی ہے وہاں دو گھڑوں میں بیچ میں تربوز رکھا ہے وہ لے آؤ میں اندر گیا واقع میں بھری سردی تربوز ملا۔ میں نے وہ کھایا شاید زندگی میں وہ لطف تربوز کا میں نے نہ پایا ایسا خوش ذائقہ تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ آج تک اس کی حلاوت یاد ہے۔

میں نے کہا اور کیا بات دیکھی کہا کہ اتباع سنت کا اہتمام تھا قناعت ان کا پیشہ تھا میں والد صاحب کے اوصاف سنتا رہا اور سوچا کہ اگر تو نے یہ ظاہر کر دیا کہ تو ان کا لڑکا ہے تو تبلیغی جماعت کو حسب وعدہ نماز عصر میں سہارنپور پکڑنا مشکل ہو جائے گا اور یہ ضرور نانوتہ اتار کر گھر چلنے کی دعوت دے گا جو کہ تجھے قبول کرنی ہوگی اور راستہ میں اترنا پڑے گا اس طرح جماعت تبلیغ سے وعدہ خلافی ہو جائے گی اس لئے میں نے اظہار نہیں کیا اور سہارنپور رات کو پہنچ گیا۔ اُن سے واقعات والد صاحب کے شاملی سے نانوتہ تک سنتا رہا یہاں تک کہ وہ نانوتہ اتر گئے اور دل میں سوچتا رہا:

جو کہ نوری تھے گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

والد صاحب ۱۹۶۶ء میں فوت ہوئے اور قبرستان شبراتی کا تکیہ کاندھلہ روڈ پر مدفون ہوئے جہاں پر ان کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ جو ۲۰۱۳ء آتے آتے غائب ہو چکا ہے۔

شجرہ خاندان

سوندھا

حسینی — مستان عبداللہ

قبول احمد ۔۔۔۔۔ عبدالحق **کمال شاہ**

۱

عبدالرحیم — حبیب الرحمٰن — محمد یسین — **شمس الاسلام**

حبیب الرحمٰن: قمر جہاں

شمس الاسلام:
۱۔ بدر الاسلام
۲۔ نجم الاسلام
۳۔ اختر جہاں
۴۔ محمد عمر

۱۔ بدر الاسلام کے مسماۃ وحیدہ سے نکاح مندرجہ ذیل اولاد میرے سامنے ہیں:
نصرت جہاں، ضیاء الاسلام، نزہت جہاں، سعدیہ، عارفہ، (زوجۂ ثانی سنجیدہ سے) فوزیہ، فوز، فیض

۲۔ نجم الاسلام کا مسماۃ عابدہ دہلوی سے نکاح کے بعد مندرجہ ذیل اولاد میرے سامنے ہیں
عائشہ، عالمہ، محمد دانش، محمد عامر، مہ جبیں

۳۔ محمد عمر کے تین لڑکے محمد امن و محمد عرش اور محمد انذر، ایک لڑکی شاداں ہیں، شادی عائشہ ساکن شاملی سے ہوئی تھی۔

اور میری لڑکی ناصر حسن پسر حاجی صابر علی سے منسوب ہوئی تھی اولاد میں لڑکی اختر جہاں کے سلیم الدین، ندیم، نسرین، نعیم، عظیم، فہیم، نازش، نغمہ، انس و اسد، ہُما میرے سامنے موجود ہیں۔

اب ۲۰۱۳ء میں میرے لڑکوں اور لڑکی کے بچّے بھی صاحبِ اولاد ہو چکے ہیں۔

مساعی والد بابت تعلیم

ہمارے بزرگوں میں سوندھا میرے پردادا اور حسینی میرے دادا ہوتے تھے والد صاحب شروع صدی ہجری ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور حافظ بندو صاحب مولوی فیض اللہ کی صحبت میں رہے باقی اردو فارسی ان ہی لوگوں سے سیکھی، تصوف اور مسائل تصوف کی طرف میلان رہا اور دہلی جوتا سازی کے لئے گئے کیونکہ انہوں نے جوتا بنانا تایا بندو اور نظر محمد موچی سے سیکھ لیا تھا مستوراتِ باغباں میں ان کے جوتے بکتے۔ آپ نے ۱۵ سال تک مسجد برنہ تلہ میں امامت کی اور بے شمار علماء کرام سے ربط رکھا۔ خصوصی ربط مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مولوی محمد اسحٰق صاحب قریشی ٹیا محل دہلی مصنف جلوۂ طور، داستانِ یوسف، ملت ابراہیم، فسانۂ آدم سے تھا اور، میں بھی کٹرہ گوکل شاہ ٹیا محل دہلی میں جمعہ بعد اُن کا وعظ سنتا تھا اور والد صاحب ساتھ ہوتے۔ اور خصوصی تعلق مولانا الیاس احمد صاحب کاندھلوی مقیم دہلی سے رہا لڑکوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے اول مولوی عبدالرحیم صاحب بستی نظام الدین مدرسہ کاشف العلوم میں پھر مدرسہ دعائیہ بارہ ٹوٹی دہلی میں پھر مدرسہ فتح پوری دہلی میں داخل ہوئے آخیر میں مدرسہ عبدالرب دہلی سے فارغ ہوئے اسی طرح قاری حبیب الرحمٰن کو اول مولوی محمد عمر بڈھانوی سے کیرانہ پڑھوایا پھر پانی پت قاری فتح محمد صاحبؒ سے بالتجوید قران شریف پڑھوایا۔ اور تیسرے بھائی محمد یٰسین صاحب مرحوم کو جامع مسجد کیرانہ میں مدرسہ تعلیم القرآن سے حفظ کرایا اور اردو پڑھوائی تھی۔

بھائی حبیب الرحمٰن اور محمد یٰسین کی خدمات

مولوی عبدالرحیم نے اکثر زندگی ہائی سیکنڈری اسکول قطب روڈ دہلی اور مدرسہ رحیمیہ قصاب پورہ کی نظامت میں گذاری اور قاری حبیب الرحمٰن نے میرٹھ کے مختلف مدارس میں پھر سہارنپور محلّہ مالیان کے مدرسہ میں حاجی بندو صاحب مالی کے ساتھ پڑھایا پھر وہ مدرسہ انوارالعلوم شاہ مدار سہارنپور میں کافی دنوں مدرس رہے اور وہ پھر میرٹھ گئے۔ مسجد تکیہ والی شاہ گھاسہ بازار میں امام کافی دن رہے۔ آخر میں گلزار مسجد بنی سرائے میرٹھ آکر بے کاری میں زندگی گذار گئے۔ حافظ یٰسین صاحب نے امامت میرٹھ کی مختلف مساجد پورہ ضابطہ خاں بڑھانہ گیٹ میرٹھ، الٰہی بخش مسجد تکیہ فقیران میرٹھ مسجد بازار لال کُورتی میرٹھ میں امام رہے اس کے بعد وہ سہارنپور محلّہ میدان ہدف انبالہ روڈ سہارنپور میں امام رہے۔ انہوں نے شادی نہ کی اپنے کو شادی شدہ بتاتے رہے اس کے بعد وہ اکثر میرٹھ دہلی رہنے لگے انہوں نے شادی نہیں کی انکو ہوا بندی کا شوق تھا اپنے کو شیخ زادہ

دہلوی کہلوانے کو فخر جانتے تھے حافظ یٰسین ۱۹۹۷ء میں فوت ہوئے۔ میں نے بھی مسجد راجوں والی نوگزہ میرٹھ میں امامت سال بھر کی اور امتحان منشی مدرسہ عربی اسلامی اَندر کوٹ میرٹھ سے ۱۹۵۱ء میں دیا۔ تیاری منصبیہ کالج کربلا ریلوے روڈ میرٹھ میں جا کر کی۔ میں نے عربی تعلیم ابتدائی زیادہ تر مدرسہ امدادالاسلام صدر میرٹھ میں حاصل کی میرے استاد مولوی محمد حیات پیشاوری تھے افغانیوں کو معقولات پڑھانے کا بڑا شوق ہوتا ہے فلسفہ منطق اُن کے دسترس میں ہوتی ہے پھر میں نے جلالین مشکوٰۃ ہدایہ مولانا عبدالروف صاحب سے مدرسہ عالیہ گھنٹہ گھر میرٹھ میں پڑھی بعد ازاں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۷۳ھ ہجری میں مولویت میں فراغت حاصل کی میں نے مختلف مدارس میں تعلیم قران کی خدمات انجام دی جن میں مندرجہ ذیل مدارس شامل ہیں جلی کوٹھی میرٹھ مدرسہ جمال القران میں مدرس اور جلی کوٹھی پلہ داران میرٹھ میں امامت اور مدرسہ تجوید القران صابون گران بازار پیڑہ مل میرٹھ میں مدرسی کی۔

قیام سہارنپور و میرٹھ

مدرسہ ترتیل القران سہارنپور محلّہ ٹولی میں مدرس اور مسجد میدان ہدف سہارنپور میں امامت کی میں نے سہارنپور کی ۵ مساجد میں ترجمہ قرآن شریف بھی جاری رکھا جو ۵ الگ الگ اوقات میں متعین تھا۔ صبح ۷ بجے ٹولی نائیان میں بعد مغرب مسجد مطربان میں اور بعد عشاء مسجد حسناء والی محلّہ شاہ بہلول سہارنپور میں اور بعد جمعہ مسجد چھوٹی لائن ریلوے ہوتا تھا۔

میں نے سردار جوگندر سنگھ کے ورکشاپ میں مائی کراسکوپ کے لئے چپراسی کی شکل میں ڈاک رسانی کا کام بھی انجام دیا۔

میں نے تنہا ایک آدمی حکیم صلاح الدین مالک اکسیر ہند دواخانہ نقار چیاں گنذری بازار میرٹھ کی دعوت پر ان کو سال بھر ان کے ذاتی ملازم کی شکل میں عربی تعلیم اُن کو اور اُن کے بچوں محمد ہاشم محمد قاسم کو دی حکیم محمد ہاشم اب باپ کی گدی پر اور محمد قاسم لہساڑی گیٹ سڑک پر ڈاکٹری کر رہے ہیں۔

قیام کاندھلہ اور مدرسی

آخر میرا اصلاحی تعلق مولانا حسین احمد مدنی سے تھا حکیم صاحب میرے پیر بھائی تھے محلّہ نقار چیان میں تھے۔ میں پردیسی حالات کی ناموافقت پر کیرانہ آ گیا اور کرایہ کا مکان متصل اپنے گھر کے لیا اور رہنے لگا بعد میں ذاتی مکان محلّہ سرور خواج بخش میں لیا اور مولانا افتخار الحسن صاحب نے اپنے قصبہ کے محلّہ خیل میں

مدرسہ کھلوا کر مجھے مدرس رکھ لیا اور اپنے فرزند مولوی محمد راشد الحسن کو واسطے تعلیم پیش کیا میں عربی کی دو ایک کتاب کافیہ وغیرہ مولوی راشد کو پڑھائیں اور سائیکل سے گھر کیرانہ روزانہ آتا رہا پھر کچھ دنوں کو کاندھلہ بھی مع اہل وعیال رہا بعد میں میں نے میونسپل بورڈ کیرانہ کی جانب توجہ کی اور ۶۲ء کو میں چپراسی اسکول امام باڑہ خورد بنا کر رکھ لیا گیا میں نے چپراسی کا کام ۸ سال تک امام باڑہ، دربار اسکول میں انجام دیا اور ۶۸ء میں منشی کی بنیاد پر میں نے ہائی اسکول کا امتحان کیرانہ پبلک انٹر کالج سے داتا رام تیاگی پرنسپل کے مشورہ پر دیا۔ ۶۸ء میں فیل ہوگیا میرے ضمیر نے کیرانہ سے امتحان مناسب نہ جانا اور میں نے مسلم انٹر کالج اسارہ سے ۶۹ء میں امتحان ہائی اسکول دیا اور سکنڈ ڈویژن سے پاس ہوگیا اُس کے بعد میں نے بی ٹی سی کے لئے اپلائی کیا اور میرا انتخاب برائے ٹریننگ بگھرہ نارمل اسکول کے لئے ہوگیا میں نے ہائی اسکول سے پہلے مدرسہ اسلامیہ کے اسکول کیرانہ میں کوشش کی مگر ماسٹر توصیف احمد صاحب کی مخالفت پر میں نہ لگ سکا۔ بعد ہائی اسکول انہوں نے لگانے کی کوشش ہیڈ ماسٹر ہونے کے ناطے کی میں نے ٹریننگ میں جانا مناسب جانا اور انکار کر دیا میں دو روز بگھرہ رہتا اور دو روز کیرانہ رہتا اس طرح میں نے تو اتر قائم کیا اور خرچ کو برداشت کرتا رہا کیونکہ میں نے کچھ اثاثہ قرض P.F. سے لیا تھا اور چپراس گیری سے جواب دیدیا۔ (استعفاء دیدیا تھا) کیونکہ اس میں تاریخ ولادت زائد العمر ثابت کرتی تھی جو بی ٹی سی دخول کے منافی تھی۔ تاریخ پیدائش ہائی اسکول میں 1943-11-5 رکھی اس دوران میں نے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، اور منشی کامل وسررشتہ تعلیم یوپی کے امتحانات دئے اس سے پہلے میں نے ۶۴ء میں یونانی طب کا رجسٹریشن بھی کرایا تھا اور یونانی کتابیں حکیم ظہیر الدین محلے کرم علی میرٹھ سے پڑھیں۔ جن میں میزان الطب اور طبِ اکبری ہیں نسخہ جات کے لئے بیاض کبیر کو رہبر رکھا۔ اور حکیم صلاح الدین اپنے شاگرد کے یہاں نسخہ نویسی بھی کی۔

قیام جلال آباد سے پہلے دہلی کے حالات:

والد صاحب نے جبکہ دہلی میں فسادات شدید ہوگئے تھے اور دہلی کی نوکری مولوی عبدالرحیم صاحب کی اندر پریشانی آگئی تھی میں خود دہلی میں ۴۶ء میں تھا سب کچھ تقسیم ہند کے فسادات اپنی نظروں سے دیکھے ہر ایک کی زبان پر تھا 'بٹ کے رہے گا ہندوستان لے کے رہیں گے پاکستان سینہ پہ گولی کھائیں گے پاکستان بنائیں گے' خدا نے ایسا ہی کر دکھایا جانے کتنے، ہزاروں نے فسادیوں کی گولیاں کھائیں کم وبیش ۵ لاکھ لاشوں پر پاکستان بنا میں اور بھائی مولوی عبدالرحیم بھی دہلی میں گھرے ہوئے تھے کیرانہ میں والد صاحب نے خیال باندھ لیا کہ سکھ عبدالرحیم کو جان سے ماردیں گے اور مجھے سکھ بنالیں گے کیونکہ دہلی پر خصوصی مظالم پٹیالہ فوج کے زیرنگرانی فسادی کر رہے تھے۔ بھائی حبیب الرحمٰن نے کاندھلہ سے دوران کرفیو دہلی تار

بھیجا جو کرفیو کھلنے پر ہمیں ملا، گھر کی عافیت معلوم ہوئی ویسے کیرانہ بھی افواہیں چلی تھیں کہ جمنا پار والے سکھ آگئے ہیں اب فساد ہوا اب فساد ہوا مگر کیرانہ مامون رہا اور کوئی حادثہ رونما نہ ہوا البتہ پانی پت جو مرکز قراء تھا فساد سے نہ بچ سکا اور پانی پت والے جو کبھی تکبر سے یوں کہا کرتے تھے کہ کیرانہ کا نام نہ لو نہیں تو شام تک روٹی نہیں ملے گی جب قدرتی عذاب آیا فسادیوں نے ڈنڈا گھمایا نہ قلندر کام آئے نہ شاہ ولایت یہ بھی مرضی مولا میں اپنی مرضی رکھتے تھے اور پانی پت والے دم دبا کر ضلع جھنگ پاکستان بھاگے سب مقابر مساجد مدارس کو لاوارث چھوڑ گئے صرف ایک آدمی کا خاندان جو صلح کل تھا مولانا بقاء اللہ صاحب مخدوم صاحب کے مزار کے پاس جن کا گھر تھا باقی رہ گئے ایک بار جبکہ دہلی میں مارشل لاء تھا اور کرفیو تھا بھائی حبیب الرحمٰن دہلی محلّہ کشن گنج والی مسجد کے چوک میں دکھائی دئے اور حال دہلی پوچھا اور لوگوں نے کہا کہ کیا تم چھلاوہ جن ہو کیسے آگئے راستہ میں کرفیو ہے وہ سامنے ایک فرلانگ پر فوجی مٹھائی کے پل پر بندوق لئے کھڑے ہیں انہوں نے تم کو کچھ نہ کہا وہ بولے میں کاندھلہ ریل سے سوار ہوا اور ریل سے اتر کر انہی سپاہیوں کی برابر سے گذرا آرہا ہوں کسی نے کچھ نہیں پوچھا، میرا وِرد آیت الکرسی کا رہا جس کی برکت سے میں ان کو نظر نہ آیا اللہ اکبر یہاں والد صاحب ملا کمال شاہ کو لوگوں نے کہا کہ دولڑکے تو کھو ہی دئے تھے اور وہ دہلی میں گھرے ہوئے ہیں تیسرے کو بھی تم نے کھو دیا مگر قاری صاحب جس طرح گئے تھے اسی طرح واپس آگئے اور خیریت لے آئے جو تار سے دینی ممکن نہ تھی اور نہ ہی تار آسکتا تھا۔

قیام جلال آباد

۱۳ سال کی عمر میں مجھ کو جلال آباد داخل کیا گیا یہاں تعلیم کے ساتھ تربیت پر زور تھا۔ سرپرست مولانا مسیح اللہ صاحب مرحوم اور ناظم تعلیمات مولانا سلیم اللہ خاں صاحب تھے چار دیواری کچی تھی۔ مولوی یٰسین صاحب، مولوی نصیر احمد صاحب شرح وقایہ اور شوکت خاں صاحب میبذی وغیرہ میں زیر تعلیم تھے اور مولوی یٰسین درسگاہوں کے شروع حجرہ میں سینے کا کام کرتے تھے اور تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ نکو کار طالب علم تھے غرض ہمارے اسباق مولوی حشمت علی مرادآبادی، مولوی عابد حسین جلال آبادی اور مولوی اسحاق لوہاروی کے یہاں تھے مولوی عابد حسین صاحب ہمارے آئیڈیل استاد تھے اور جامع مسجد جلال آباد کے امام بھی تھے انہوں نے ہم کو گلستاں، بوستان پڑھائی جب انکا تبادلہ چرتھاول ہوگیا تو میں اور میرے ساتھی مولوی ارشد اللہ صاحب جو کہ مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادہ تھے بہت افسوس کیا ہم نے ان کی مفارقت پر رنج اور دوبارہ مواصلت کا ذریعہ معلوم کرنے کے لئے خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا: 'کیا خبر

تھی انقلابِ آسمان ہو جائے گا۔ یار کا ملنا نصیب دشمنان ہو جائے گا' اور لکھا

دیکھ یہ راہِ عشق ہے
ہوتی ہے یونہی یہ طے
سینہ پر تیر کھائے جا
آگے قدم بڑھائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں دَر
اس پہ ہو کیوں تیری نظر
تو تو اپنا کام کر
یعنی صدا لگائے جا۔

ایک مرتبہ مجھے یا مولوی ارشد اللہ کو مولوی اسحاق خاں نے کہہ دیا:

پرتوِ نیکان نگیرد ہر کہ بنیادش بدست
تربیت نا اہل را چوں گرد گاں برگنبدست

ہم نے تحریری احتجاج مولوی سلیم اللہ صاحب ناظم مدرسہ سے کیا انہوں نے فہمائش مدرس کو کی ہم کو ان کی حقانیت کا پتہ چلا اور قائل ہوئے کیونکہ وہ جس قدر مدرس شفیق مربی تھے بچوں کے ساتھ کبڈی بعد العصر کھیلا کرتے تھے۔ زود نویس بھی تھے ایک بار زود نویسی کا مقابلہ علامہ رفیق احمد اور ان کے درمیان مولانا مسیح اللہ صاحب نے کرایا علامہ رفیق جیت گئے۔ علامہ موضع بھیسانی کے تھے اگلے دن مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدرسہ میں آئے اور پوچھا کہ کس نے احتجاج تحریری کیا تھا۔ ہم نے کہا حضرت ہم نے کیا تھا کہ کیونکہ ہر کہ بنیادش بداست سے حملہ ہمارے ماں باپ پر ہوتا تھا کہنے لگے یا تو اپنے ٹرنک لے کر اپنے گھر جاؤ یا میں شعر کا مطلب لکھدوں ہم نے کہا لکھ دیجئے۔ انہوں نے لکھا یہاں بنیاد کا ترجمہ طینت اور خصلت ہے ہم چپ رہے مگر رات کو مولوی ارشد اللہ کہنے لگے کہ سعدی نے دوسری جگہ کہا ہے عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بزرگ شود قرینہ مقام یہاں طینت کے معنی نہیں بتا رہا بنیاد سے مراد تخم ہے نہ کہ خصلت غرض ہم دونوں نے جلال آباد چھوڑ دیا اور میرٹھ آ گئے۔ یہاں جلال آباد میں تربیت اچھی تھی ایک بار مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں فجر کی باجماعت نماز چھوٹ گئی تو ناظم مولانا سلیم اللہ صاحب نے سات وقت کا کھانا بند کیا، ہم نے بڑی مشکل سے صوفی اتفاق علی خاں سے اُدھار چنے وغیرہ لے کر وقت کاٹا۔ اور ساتھیوں نے بھی رحم کھایا کبھی کبھی شریکِ طعام کرلیا کرتے تھے۔

قیام میرٹھ اور امتحان منشی

میرٹھ میں شاہ پیر گیٹ محلّہ نوگزہ راجوں والی مسجد میں آ کر بعد میں امامت کی پہلے مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ میں قاری عبدالرحمٰن نابینا کے ساتھ داخلہ لیا اور پڑھنے لگا جب نوگزہ والی مسجد میں امام تھا اور مولوی ارشد اللہ بھی میرے پاس تھے اور قاری حبیب الرحمٰن قریبی محلّہ تکیہ والی مسجد شاہ گھاسہ میں امام تھے اور حافظ یٰسین پورہ ضابطہ خاں بڑھانہ گیٹ مسجد میں امام تھے۔ جہاں حافظ یٰسین دو سال امام رہے۔ اُس کے بعد میں نے مدرسہ عالیہ گھنٹہ گھر میرٹھ میں پڑھا۔ اسی دوران بعمر ۱۸ سال میری شادی کیرانہ حاجی اسمٰعیل عرف بھورہ کی دختر مسماۃ امینہ بیگم کے ساتھ ہوگئی۔ نکاح مولانا خالد صاحب نے پڑھایا بلا معاوضہ پڑھایا۔ جب کہ امینہ کی عمر ۱۶ سال تھی اور میں نے جلالین مشکوٰۃ اور ہدایہ پڑھ لی دورۂ حدیث کے لئے میں سہارنپور آیا یہاں بھائی یٰسین پہلے سے مسجد میدان ہدف میں امام تھے۔ پورہ ضابطہ خاں میرٹھ انہوں نے چھوڑ دیا تھا میں گولڈن ٹوپی اچکن رومال کے ساتھ رہنے لگا اور بال بھی پٹھے بھی رکھ لئے تھے اور میں جب کہ راجوں والی مسجد محلّہ نوگزہ شاہ پیر گیٹ امام تھا اور مدرسہ عالیہ گھنٹہ گھر میرٹھ میں متعلم تھا۔ اسی دوران میں صفر کے مہینہ میں دورۂ حدیث کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور پہنچا اور درخواست برائے شمولیت دورۂ حدیث لکھی۔ اس وقت مدرسہ کے ناظم تعلیمات مولانا عبداللطیف صاحب پورقاضوی تھے جو کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے بھی استاد تھے۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے پاس میں گیا اور میں نے درخواست داخلہ برائے دورۂ حدیث لکھی۔ مولانا اسعد اللہ صاحب نے علیحدہ پرچہ پر لکھا کہ مولوی شمس الاسلام میرے فرزند وعزیزی ارشد اللہ کے دوست ہیں اسلئے میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کا دورۂ حدیث میں داخلہ کرلیا جائے حضرت ناظم صاحب مولانا عبداللطیف صاحب نے لکھا لحیتہ' مقطُوعَۃٌ وّمقصوصَۃٌ م (ترجمہ: اِن کی داڑھی کٹی ہوئی ہے) ولانا عبداللطیف کے اس لکھنے پر مولانا اسعد اللہ صاحب نے لکھا

لحیتہ' مقطُوعَۃٌ وّمقصوصَۃٌ و یَقُولُ اِنّی تُبتُ مِن ھٰذ الفِعل الشنیع مُذ خمساً وَعشرِینَ یو مالَن اَعُودَ الیہ ابَداً و الظاھر یشھد لہ ۰ (ترجمہ: اِن کی داڑھی کٹی ہوئی ہے، مگر یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے پچیس دِن سے اِس برے کام سے توبہ کرلی ہے۔ اور اِن کا ظاہر بھی گواہی دے رہا ہے۔)

ناظم صاحب نے جواباً لکھا۔ وَلکن ینبغی ان یکون مولانا امیر احمد ضامناً وَ کفیلاً۔

(ترجمہ: لیکن مناسب یہ ہے کہ مولانا امیر احمد اِن کے ضامن اور کفیل بنیں۔)

ڈگری مولوی، قیام دوبارہ سہارنپور

مولانا امیر احمد قریشی کے پاس والد صاحب کئی بار مجھے تعلیمی مشورہ کے لئے لے گئے تھے تعارف والد صاحب اور مجھ سے بوجہ کیرانہ آمدو شد پہلے سے تھا وہ چھڑیوں محلّہ، قصائیان میں بیاہے گئے تھے۔ میں مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی مرحوم کے پاس گیا انہوں نے اردو زبان میں لکھا میں شمس الاسلام ابن عبدالحق کا ضامن و کفیل ہوں چنانچہ داخلہ دورانِ سال ہی دورۂ حدیث میں ہوگیا۔ مولانا امیر احمد صدر مدرس مظاہر علوم تھے ماہ صفر ۱۳۷۳ھ تھا۔ چنانچہ نائب مہتمم مولانا عبدالمجید صاحب نے لکھ دیا کہ مولانا منظور احمد خاں صاحب جلالین شریف مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اولین کا امتحان لیں مولانا نے ان کتابوں سے متعلق وہ نادر سوالات کئے جس کا جواب تینوں کتابوں میں میں نہ دے پایا اور مولانا منظور احمد خاں صاحب نے نتیجہ مدرجہ ذیل لکھا

جلالین (صفر) مشکوٰۃ (صفر) ہدایہ اولین (صفر)

مزید اس پر لکھا کہ میں سفارش کرتا ہوں کہ شمس الاسلام ابن عبدالحق کا داخلہ دورۂ حدیث میں کرلیا جائے ابوداؤد شریف حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب کاندھلوی مسلم شریف مولانا منظور احمد خاں صاحب کے پاس اور نسائی مولانا اسعد اللہ صاحب کے پاس اور بخاری شریف بھی ناظم صاحب کے پاس۔ ابن ماجہ مفتی سعید احمد صاحب کے پاس ترمذی شریف بھی مفتی سعید احمد صاحب کے پاس تھی شمائل ترمذی بھی وہی پڑھاتے تھے۔ جب پندرہ پارے بخاری شریف کے ہوگئے تو حضرت ناظم کا انتقال (۱۳۷۳ھ) ہوگیا پھر باقی پندرہ پارے حضرت مولانا ذکریا صاحب۔ شیخ الحدیث نے پورے کرائے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

چونی کی حیثیت

ایک روز شیخ الحدیث نے دورانِ سبق کہا کہ ہر اُس طالب علم دورہ کو چونی دوں گا جو حافظ ہوگا اس روز مجھے ملال ہوا اور دورہ میں ۱۰۰ طالب علم شریک تھے شیخ الحدیث سو چونیاں لائے تھے جو حافظ تھے انہوں نے لے لی مولوی محمد میاں میرے ساتھی جو محلّہ بازداران سہارنپور کے رہنے والے تھے بولے میری چونی لے لو میں نے کہا وہ شرف ان کے ہی ہاتھوں سے ہے ساتھیوں میں مولوی عبدالعزیز رائپوری مولوی عبدالغنی احمد آبادی، مولوی اطہر حسن خلف الرشید مفتی سعید احمد صاحب مرحوم تھے مولوی زبیر احمد منصور پوری اور مولوی محمد یوسف صاحب جسرٹھی بھی ساتھی تھے۔

۱۳۷۳ھ یعنی ۱۹۵۳ء میں چونی کی کیا حیثیت تھی اس کے لئے میں ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ میری گھر والی چنگیری بُن کر گھر کے خرچ میں مددگار ہمیشہ رہی اور سادگی سے زندگی گزارنے والی، کفایت شعار تھی۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ آج کچھ بھی پاس نہیں اور نہ کہیں سے اُدھار ملنے کی امید۔ کرایہ ماہانہ مکان چھ روپے مکان مالک رحمت علی متولی مسجد محلّہ میدان ہدف انبالہ روڈ سہارنپور کو دیا کرتا تھا مکان ریچ کے پل کے پاس نالہ پر تھا بستی مسلم تیلیوں کی دیہاتیوں کی تھی۔ گھر والی نے دو چنگیری بنائی میں بیچنے کے لئے گھر سے نکلا تھوڑی دور پر ہی محلّہ بازداران سے گزرا ایک دوکاندار نے پوچھ ہی لیا کہ کیا چنگیری بیچوگے میں نے کہا ہاں، کہا کتنے کی ہے میں نے کہا ایک ۲۰ پیسہ کی ہے اُس بیس پیسے کا میں نے آٹا خریدا جو اتنا آیا کہ ہم دونوں نے چٹنی پیس کر پیٹ بھر کھایا۔ وہ مساجد جہاں میں نے امامت کی۔ سہارنپور میں صرف ایک مسجد ۱۰ روپے کھانے پر امامت کی۔ ۵۴ء سے ۶۰ء تک امامت محلّہ میدان ہدف چوراہہ انبالہ روڈ سہارنپور میں کی۔ یہاں پہلے سے ہی بھائی محمد یٰسین امام تھے جن کی تنخواہ تین روپے اور کھانا تھی۔ انہوں نے ۵۲ء سے ۵۴ء تک امامت کی ۱۹۵۴ء میں بدرالاسلام سہارنپور میں پہلا لڑکا پیدا ہوا اُس کا تاریخی نام مرغوب الزماں رکھا گیا جس سے سن ہجری ولادت کا نکلتا ہے یعنی ۱۳۷۷ء۔ میرا نکاح ۱۳۷۳ھ میں ہوگیا تھا اور میں دورۂ حدیث میں داخل ہوگیا جو آخر سال تھا والد صاحب نے دس روپے ماہوار سے مدد کی اور کچھ زیورات بیچ کر سال پورا کیا زیورات میں سونے کی لونگ دو ماشہ کی دس روپے میں گئی، سہارے دست بند پیروں کے لچھے پری بند ٹیکہ چاندی کا اور ہار گھر والی نے خوشی سے تعلیم پر نثار کردیئے۔

سردار جوگندر سے ملاقات

میرے خسر صاحب حاجی اسمٰعیل عرف بھورے نے بھی چند ماہ چھ روپے ماہانہ سے مدد کی جب میں نے سند الفراغ حاصل کرلی اور چند سال امامت کو گذر گئے اور معاشی تنگی دامن گیر رہی تو ایک نمازی صدیقی صاحب نے ۱۹۵۸ء میں میری ملاقات سردار جوگندر سنگھ مالک ورکشاپ مائیکرا سکوپ پٹیل نگر سہارنپور سے کرادی انہوں نے میری قدردانی کی اور مجھے تیس روپے ماہانہ پر اپنی ورکشاپ میں چند گھنٹے گذارنے کے لئے رکھ لیا علاوہ امامت کے یہ مزید قدرتی مدد ہوئی میرے ذمہ سردار نے دو کام سپرد کئے ایک تو ان کا پوسٹ بکس ۵۲ تھا اُس میں سے ڈاک نکال لانا دوسرے روزانہ کے پیمنٹ کے لئے چیک پنجاب نیشنل بنک سہارنپور بازار شہید گنج سے چیک کیش کرا کر لانا۔ اور کبھی کبھی مائیکرواسکوپ (خون ٹیسٹ مشین) کے پرزے بھی کارخانوں سے لادیا کرتا تھا جن کے نام بیس اور ٹرائنگل وغیرہ تھے۔ اور بس علمی گفتگو میں وقت گزارتا۔ سردار

صاحب اتفاقی حادثات میں بھی مدد پہونچاتے ایک بار گھر والی کی چھاتیاں پک گئیں اور مہین سوراخ ہو گئے تو سردار صاحب نے اپنے خصوصی معالج ڈاکٹر بھگت رام گھنٹہ گھر سہارنپور سے علاج کروایا۔ ۴/۵ روز میں افاقہ ہو گیا۔

مستری مقصود احمد باڑھی

کیرانہ کے باڑھی مقصود احمد وصدیق احمد کو بھی اس امداد پر تعجب ہوا کیونکہ وہ بھی میری دعوت اکثر کرتے رہا کرتے تھے اور ان کو بھی علمی مذاکرہ میں بڑا لطف آتا تھا اور نقد سے بھی اعانت کرتے رہا کرتے تھے میرے اُن کے مراسم باوجود ہم وطن ہونے کے صرف مردانہ رہے ایک بار کا واقعہ ہے اون کے قریب ملی ہوئی پولس چوکی کا یاد آیا کچھ سپاہی مستری مقصود کو بلا کر لے گئے کیونکہ ان کے مراسم ان سے دوستانہ رہتے تھے اور وہ پڑوسی تھے متصل ہی باڈی میکر کارخانہ کے چوکی قطب شیر تھی یہ لوگ گاڑیوں، موٹروں کی باڈی بدلا کرتے تھے۔ پرانی ادھیڑ دیا کرتے تھے بہت قیمتی لکڑیاں پرانی گاڑی کی وہ جلایا کرتے تھے غرض آدھ گھنٹہ بعد چوکی سے مستری مقصود واپس آئے تو کہنے لگے یہ سپاہی دعوت زنا کی دینے آیا تھا کوئی لڑکی اپنے یار کے ساتھ بھاگ کر سہارنپور کا ارادہ کیا اُس کے گھر سے نکلتے ہی کسی رشتہ دار نے محسوس کر لیا اور تھانہ گنگوہ میں جا کر فرار کی اطلاع کر دی۔ واقعہ گنگوہ کا ہے گنگوہ تھانہ سے چوکی پولس قطب شیر سہارنپور پر فون آیا ایک لڑکی اِس حلیہ کی اِس حلیہ کے لڑکے کے ساتھ موٹر میں سوار ہو کر آرہی ہے۔ آپ دونوں کو گرفتار کر لیں چنانچہ سپاہیوں نے ہر گاڑی کی تلاشی شروع کر دی اور جب وہ گاڑی آئی اور حلیہ مل گیا تو دونوں کو اُتار لیا اور لڑکی کو علیحدہ اور لڑکے کو الگ بند کیا پھر چونکہ کسی افسر کی آمد کا ڈر تھا اس لئے زنا کے لئے ۱۳ سپاہیوں نے چوکی کی چھت طے کی چنانچہ ۱۳ سپاہیوں نے اُس ہاتھ جوڑتی لڑکی کے ساتھ پولس چوکی کی فراخ چھت پر زنا کیا اور چودھواں مجھے (مستری مقصود) بھی اس کام کے لئے بلانے آئے تھے میں نے منع کر دیا اور مستری مقصود بولے یہ لڑکی اپنی لڑکیوں کی لڑکیوں کو کہہ کر مریگی کہ کبھی گھر سے نہ بھاگنا۔ میں نے کہا مستری جی اُس لڑکی کو چھوڑوا تو دیتے کہنے لگے اب وہ کیا کریں گے۔ چھوڑیں گے ہی ہاں البتہ لڑکے کو مار پیٹ کے بعد ایک دو روز میں چھوڑیں گے۔ اللھم احفظنا من الفحشاءِ والمنکر جب ۱۹۶۰ء میں میرے پاس پیسے کافی ہو گئے اور میں نے بڑے ڈاکخانہ سہارنپور میں بچت کھاتہ کھلوایا جہاں میں دستخط شمس الاسلام عفا الہ عنہ سے پیسے سیونگ بنک ڈاکخانہ سے نکلواتا تھا اور ہندو لوگ کلرک تھے مگر اردو سے اس درجہ واقف تھے کہ ایک بار میں نے عفا الہ عنہ میں لفظ عنہ کو عفا الہ سے علیحدہ لکھ دیا انہوں نے کہا دستخط نہیں ملتے کیسے پیسے نکال کر دیں۔ کئی بار دستخط کرنے کے بعد کلرک نے دکھایا دستخط اس طرح تھے شمس الاسلام عفا الہ عنہ یعنی عنہ لفظ الہ کے اوپر تھا۔ آج کا دور یہ ہے

کہ مسلم ہی اردو سے واقف نہیں کجا یہ کہ ہندو واقف ہوگا۔

پڑھی نماز جنازہ کی میری غیروں نے
مرے تھے جنِ کے لئے وہ رہے وضو کرتے

آزادی کے نعرے اردو میں بولے گئے۔ کامیابی ملنے پر اردو سے بیزاری، افسوس۔ جہاں سے روٹی ملے چاہے ضمیر کے خلاف ہو، اُردو والے بھی وہ ہی کام کر رہے ہیں۔ روٹی سرکار سے اردو کی اور کام ہندی کا۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانہ کو میرے
جن پہ تکیہ تھا وہ ہی پتے ہوا دینے لگے

سفر احمد آباد

پیسے اکٹھے ہونے پر مجھے کچھ مستی سوار ہوئی اور میں نے ایک دوربین میں ایک آنہ میں جو دکھایا کرتے تھے اور آواز دے کر بلاتے تھے یہ دیکھو بارہ من کی دھوبن یہ دیکھو بمبئی کا بھنڈی بازار چور بازار نل بازار دیکھو، احمد آباد کی کاکریا اور چڑیا گھر دیکھو مجھے احمد آباد کی تعریفیں اوروں سے بھی سن کر احمد آباد جانے کا شوق لگا میں امامت چھوڑ کر کیرانہ آگیا اور گھر والی کو والد صاحب والدہ صاحبہ کے پاس کیرانہ چھوڑ کر احمد آباد کا رخ کیا۔ پہلے آگرہ کی سیر کی کیونکہ میں ستر روپے لے کر چلا تھا جو ایک ہاتھی کا پیر اُس وقت تھا آگرہ سے چھوٹی لائن میں احمد آباد کے لئے ۲۰ روپے کا ٹکٹ لیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ میں گاڑی میں بیٹھا بیٹھا تھک گیا مجھے اکسپریس سے آنا تھا اور لمبے سفر کے لئے رزرویشن بھی کرانا تھا ان قواعد کا پتہ مجھے کئی بار احمد آباد جانے کے بعد ہوا ایک بار ایکسپریس میں سوار ہو گیا مگر رزرویشن نہیں کرایا تو جے پور تک دہلی سے کھڑا جانا پڑا پھر مارواڑ اسٹیشن گزرنے کے بعد جب گجرات شروع ہوا تو ہندوؤں نے کھڑے ہو کر کہا چاچا آپ بیٹھ جائیں ہم جگہ دیں گے میں گجراتی ہندوؤں کے اخلاق سے متاثر ہوتا یہ ملاپ ۱۹۶۰ء کا آج ۲۰۰۷ میں فرقہ واریت عروج پر ہے۔ کہیں فرقہ بندیاں ہیں اور کہیں ذاتیں ہیں، کیا دنیا میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔ الغرض جمعرات کا چلا دوپہر کا بیٹھا اگلے دن جمعہ کی صبح کو احمد آباد اترا اور اسٹیشن سے اتر کر سوچتا جا رہا ہوں کہ دن تو گذر جائے گا سیر سپاٹے میں مگر رات کہاں گزاروں گا مسجدیں بڑے شہروں کی سب مقفل ہو جاتی ہیں کیونکہ میں نے ایک بار ایگزامنر کی تلاش میں لکھنؤ دیکھا تھا کہ کوئی مسجد ٹھہرنے کو نہ ملی ہوٹلوں کا کرایہ میرے بس کا نہ تھا آخر چار باغ اسٹیشن پر ہی واپس آکر رات بسر کی اسی طرح سوچ رہا تھا کہ کسی سے بھی سلام کلام اور جان کاری نہیں کہیں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں اور احمد آباد دیکھنے اور ادھر روزگار پر لگنے کا سارا شوق نکل

جاوے۔اسی فکر میں اللہ سے شکوے کرتا چلا جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میں ننگے پیروں جمعہ پڑھنے جامعِ دمشق کی طرف جا رہا تھا ننگے پیر ہونے کی وجہ سے راستہ میں پیر جلتے تھے کیونکہ جوتیاں نصیب نہیں تھیں۔ بھری دوپہر تھی گرمی سے ریت زمین بھاڑ ہو گئے تھے۔اپنی قابلیت اور اللہ کی عطا پر شکوے اللہ سے کر رہا تھا۔ جب جامع دمشق میں آیا ایک کو دیکھا کہ لنگڑا بیٹھا ہوا ہے۔خدا کا شکر بجالایا کہ جوتے اگر نہیں پیر تو ہیں۔نعمت کے حصول میں اس سے بڑھ کر ہوں۔جیسے ایک آدمی نے سمندر نہیں دیکھا تھا۔وہ کشتی میں بیٹھا خوف زدہ ہو گیا۔ اس درجہ خوف اس کا بڑھا کہ شور وغل میں آسمان اٹھا لیا۔سواریاں جو سیر وسیاحت کو بیٹھی تھیں بڑا ناگوار ہوا۔ انہوں نے بہت سمجھایا اور چپ کیا مگر وہ واویلا ہی مچاتا رہا۔ایک تجربہ کار بولا کہ اسے سمندر میں غوطے دے دو تب یہ چپ ہوگا۔دو مضبوط آدمیوں نے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اس کو سمندر میں دھکیلا اور وہ چپ ہو کر بیٹھ گیا۔ سچ ہے بڑی مصیبت چھوٹی مصیبت کو بھلا دیتی ہے۔انہیں تفکرات کے ساتھ جامع مسجد دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جامع مسجد کی چھتیں دہلی کی جامع مسجد کی طرح اونچی نہ تھی پرانے زمانہ کی بادشاہی تعمیر کا نمونہ تھی۔کافی فراخ تھی اندر بے انتہا ستون تھے اور کافی چھت دار تھی دہلی کی جامع مسجد سے زیادہ چھت دار تھی مگر عالیشان نہ تھی۔خیر اسی فکرِ قیام ومعاش میں ۱۲ بج گئے اور جامع مسجد میں نمازیوں نے آنا شروع کیا میں نے سوچا کہ پنسل کورے کاغذ میرے پاس ہیں میں نے ایک درخواست عربی زبان میں بنام امام جامع مسجد احمد آباد لکھی جس میں دکھایا کہ میں کہاں کا رہنے والا اور کس لئے فکرِ معاش میں احمد آباد قدم رنجہ ہوا۔رہبری کی درخواست تھی میں نے دیکھا کہ ۱۲ بجے سے ہی امام صاحب کے پاس مجمع لگا ہوا ہے جو کہ صحن جامع مسجد کے دائیں جانب چبوترے پر نمازیوں سے ہمکلام ہیں میں نے وہ درخواست ان کے سامنے گزرانی اور دکھائی وہ کافی دیر تک جب دیکھتے رہے تو میں سمجھ گیا کہ عربی زبان سے ناواقف ہیں میں نے اردو میں اپنا مفہوم اور غرضِ آمد بتلائی اور رہبری کی درخواست کی،امام صاحب نے تو کوئی بشاشت کا اظہار نہ کیا اور معمولی اثبات میں سر ہلایا مگر مجمع میں ایک پستہ قد صافہ باندھے گورے رنگ کے کے بڑے میاں علاؤالدین تھے وہ میری طرف پوری طرح رجوع ہوئے اور مجھ سے نماز بعد ملنے کے لئے کہا۔جمعہ کی نماز کے بعد میں ان سے ملا وہ میرا بسترہ اٹھا کر اپنے ساتھ گھر لے گئے ان کا گھر محلّہ ناریاواڑ نگینہ مسجد کے پاس تھا گھر میں سب بچے بہوئیں اور لڑکیاں تھیں۔ مجھے کھانا کھلایا اور مشفقانہ باتیں کرتے رہے پھر بولے چلو تم کو تین دروازہ لے چلیں وہاں حلیم کھلائیں گے اور سالارِ خاکسار پارٹی سے بھی ملوائیں گے میں ان کے ساتھ پر ہجوم چوراہہ پر تین دروازہ آیا اور دروازہ کی ہی ایک دوکان سالارِ خاکسار پارٹی کی دوکان بھی تھی اُن سے ملوایا انہوں نے ضروری معلومات کر کے استقبال کیا اور کہا کہ آج ہمارا ہفتہ وار اجتماع ہے جس میں شہر کے سب ہی خاکسار بیلچہ لے کر الف والی مسجد میں جمع ہوں گے۔ہم آپ کو بعد عصر سب ہی سے سلامی دلوائیں گے

اور آپ ان کے سامنے تقریر کرنا تھوڑی دیر کے لئے جواباً میں نے کہا بہت اچھا چنانچہ عصر کے وقت پوری فراخ مسجد بیلچہ والوں سے جو خاکساری یونیفارم خاکی وردی اور لال نوک والی ٹوپی اور شلوار میں ملبوس تھے پوری مسجد بھر گئی اور عصر کے بعد مجھے سب نے سلامی دی اور میں نے تنظیم اور سنگھٹن پر تقریر بیس منٹ کی اب تو میرا تعارف پورے شہر میں ہو گیا تھا ایک تھے مولانا احمد اللہ صاحب پشاوری پرانے بزرگوں کے نشان اور مجاہد اُن سے بھی میری ملاقات بھائی علاؤالدین نے کرائی اور ان سے علمی اور علامہ عنایت اللہ مشرقی بانی خاکساری تحریک پر گفتگو ہوئی کیونکہ خاکساروں کی یہ پریڈ میں نے مسجد فتح پوری دہلی میں ۴۶ء میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے خاکساروں کا اور پولس کا مقابلہ چھوٹی مسجد باڑہ ہندوراؤ میں بھی دیکھ لیا تھا پولس مسجد میں داخل ہو کر ان کو نہ پکڑ سکی اور وہ مورچہ بند مسجد کے اوپر تھے اس سین کو بوجہ ۱۰ سالہ بچہ ہونے کے سیاسی اعتبار سے نہ جان سکا۔

بھائی علاؤالدین نے ناریاواڑ میں میرا بہت لوگوں سے تعارف کرایا اور اپنے بھتیجہ نور محمد سے کہا کہ مولوی صاحب کے لئے مدرسہ کھولو ہماری جانب پیسہ ہے علم نہیں ہے علم شمالی ہندوآبہ میں ہے نور محمد بھتیجا مالک انوارِ ہلال ریٹسورینٹ تھا میں کھانا تو علاؤالدین کے یہاں ہی کھاتا رہا اور ناشتہ ریسٹورینٹ میں کرتا رہا۔ نور محمد نے ایک عمارت خالی کرا کر مدرسہ کے لئے دی اور تپائیاں دریوں کا انتظام کیا میں معلم قرآن بنا مگر کب تک میں تقاضہ کرتا رہا کہ بغیر مکان کے میں نہ ٹھہروں گا گھر والی نو بیاہتا ہے اسے کیسے دور رکھوں جبکہ ہماری برادری میں بے راہ روی عام تھی بے پردگی بھی عام تھی دیگر اقوام کے افراد بھی مستورات سے خلط ملط رکھتے تھے میں چونکہ پردہ اور نماز کی تلقین کرتا تھا اس لئے میرے کچھ نوجوان دشمن ہو گئے۔جن کے نام تصور میں ہیں۔ لگے سگے نوجوان میری جان کے دشمن بن گئے۔دورانِ قیام سہارنپور جب کہ کوئی بچہ نہیں تھا **بیوی کو اغوا مجھے قتل کرنے کا منصوبہ** بنایا وہ اس طرح کہ ایک آدمی میرے مکاندار کے پاس سہارنپور آیا اور خبر دی کہ اپنے کرائیدار مولوی کو کہو کہ اس کا بھائی موٹر کے نیچے آ گیا ہے۔زخمی ہو گیا ہے۔اور زخم کے علاج کے لئے دواونس شراب منگائی ہے۔اور میرے ٹھیلے میں سوار ہو کر چلو۔ہم نے کہا ضرور جائیں گے۔مگر ٹھیلے میں نہیں ریل سے جائیں گے۔اور دواونس شراب تم لے جاؤ۔اگلے دن کیرانہ پہونچے۔وہاں نہ بھائی عبدالرحیم تھے،نہ وہ موٹر کے نیچے آئے۔والد صاحب کو کہانی اور خبر سنائی آدمی کا حلیہ بتایا وہ بولے دشمن کا وار خالی گیا،خدا نے مدد کی۔پچھلے حالات کی بنا پر میں احمد آباد میں مستقل قیام پر راضی نہ ہو سکا۔ڈیڑھ مہینہ گزرنے پر میں نے مکان کا تقاضہ شدید کیا انہوں نے کہا مکان تو دوا میں کوٹنے کو بھی نصیب نہیں ہو رہا ہے،قلت مکانی کی وجہ سے یہاں بھی لوگ بے پردگی میں ہیں مگر ویسے سب عفت میں تھے بدچلنی کا مظہر مقامی مستورات نہ تھیں بلکہ

راجستھانی مزدور عورتوں کے ساتھ مقامی لوگوں کے ناجائز روابط محسوس کئے گئے جو علاؤالدین کی زبانی معلوم ہوئے۔ یہ عورتیں جوان تھیں اور حمالی بار برداری ٹھیلیوں سے کرتی تھیں۔ گھاگھرا اور ناف تک کی قمیض سرخ رنگ یہ ان کا لباس تھا احمد آبادی عورتیں یوپی والوں کے طرز کا پہناوا رکھتی تھیں پونے دو ماہ گزرنے پر میں نے چلنے کا بگل بجادیا سب کو افسوس ہوا اور کچھ لوگوں نے زادراہ اور تنخواہوں کا مجھے دیا اور کافی کمبل اور کپڑہ دیا اور اسٹیشن پر گاڑی سے چھوڑنے آئے ٹکٹ لیا ریزوریشن کرایا اور بعد افسوس رخصت کیا کیرانہ آکر میں نے سب سے پہلے اس پیسہ میں سونا خریدا ۱۰۲ روپے کا ایک تولہ آیا اور زندہ سنار بازار نخاسہ سہارنپور سے بندے بنوائے جو ایک تولہ کے تھے اور وہ بوندے بعد میں کافی عرصہ بعد موجودہ لڑکی اختر جہاں کو رخصتی میں گھر والی نے دیئے اُس کے بعد کئی بار احمد آباد جانا ہوا مگر دس پندرہ روز کے لئے پھر چلا آتا۔ رمضان میں بھی گیا غرض اسی طرح ۱۹۶۱ء بیت گیا۔ والد صاحب نے مشورہ دیا کہ علیحدہ مکان لے لو بڑا بھائی عبدالرحیم یہی چاہتا ہے میرے پاس چھ سو روپے کی رقم تھی۔ میں نے اس رقم سے حبیب دودُھ والے سرور محلّہ خواج بخش میں گھر لے لیا اور نجم الاسلام دوسرا لڑکا وہیں پیدا ہوا اُس کا تاریخی نام اصغر کمال رکھا گیا۔ اصغر کمال کا جوڑ حرفوں کے عددوں کا کل ۱۳۶۲ ہوگیا اس سے پہلے لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں جو فوت ہوگئیں متوفیہ لڑکیاں نجمہ، فردوس عشرت ہیں اور چوتھی لڑکی عیدگاہ والے مکان میں فوت ہوئی اور ایک لڑکا بھی فوت ہوا یہاں عیدگاہ پر قیام ۱۹۶۸ء سے شروع ہوا۔ بدرالاسلام بڑے لڑکے کا تاریخی نام مرغوب الزماں ہے۔

امتحان منشی، توجہ بجانب حکمت

۱۹۶۱ء میں پرائیوٹ نوکریوں سے میں پریشان ہوگیا میں سہارنپور گیا وہاں مکان دس روپے ماہوار بھائی انور احمد ملازم سگرٹ فیکٹری کا محلّہ شاہ بہلول میں لیا چند مہینے گزارے اور ملازمت تیس روپے ماہانہ پر حاجی عبدالرحمٰن کے یہاں چھالی کاٹنا اور دوکانداری میں مددگاری تھا۔ حاجی صاحب تو گزر گئے تھے ان کے لڑکے عزیزالرحمٰن دوکان چلارہے تھے۔ آخرکار مجھے سرکاری نوکری کی دھن لگی اور میں نے کیرانہ ہی رہنا پسند کیا دوبارہ کیرانہ آگیا اور میونسپلٹی کی نوکری کے لئے کوشاں ہوا حافظ نانو مالی ممبر میونسپل بورڈ کی کوشش سے اسکول چپراسی رکھ لیا گیا مگر چند ماہ کے بعد ہی الگ کردیا گیا کیونکہ یہاں بابورام چیئرمین تھا اور وہ ہٹا دیا گیا میں بھی ہٹادیا گیا اور میں نے اپنی توجہ حکیم گری کی طرف کرلی کیونکہ میں نے حکیم ظہیرالدین صاحب (میرٹھ) استاد صدر جمہوریہ سے طب پڑھی تھی میزان الطب، حاذق اور بیاض کبیر کا مطالعہ کیا تھا۔

میں نے رجسٹریشن میں تعلیم منشی یوپی بورڈ کا امتحان دکھایا جو کہ میں میرٹھ سے پاس کرکے آیا تھا۔ فارم منشی مدرسہ اسلامی اندرکورٹ میرٹھ سے بھرا۔ تیاری منصبیہ کالج میرٹھ میں کی اور امتحان گاہ فیض انٹر کالج میرٹھ تھا، میں حساب الجبرا (vad xf.kr] cht xf.kr) میں کمزور تھا۔ مولوی چراغ عالم میرے ساتھی نے کافی محنت سے مجھے سمجھایا اور پیار کیا۔ اور میں منشی کے امتحان میں پاس ہوگیا بعد میں یہ امتحان میرے اور میری اولاد کے لئے کافی مددگار ثابت ہوا۔

حکیم گیری کے رجسٹریشن فارم میں تصدیق چیرمین ایم۔ ایل۔ اے اور گزیٹڈ آفیسر ضروری تھی کیرانہ میں چیرمین نہ تھا اور چیرمین منتخب ہونا دیرطلب بات تھی لہذا میں نے تصدیق کے لئے شاملی پہنچا وہاں چیرمین سلیک چند نے تصدیق کی کہ ۵ سال سے تجربہ لئے ہوئے ہیں بعد میں واسطے تصدیق میں چندن سنگھ ایم ایل اے کے کھیت پر گیا جہاں انہوں نے دور ہی سے میرا استقبال کیا اور تصدیق لکھی مہر لگائی اور سگرٹ پیش کی میں نے شکریہ ادا کیا اور رخصتی کے وقت میں نے کہا کہ گزیٹڈ آفیسر کی تصدیق رہ گئی سب کام ہوگیا تو ایم ایل اے صاحب بولے ہم گزیٹڈ آفیسر پہلے ہیں ایم ایل اے بعد میں لاؤ کون سی جگہ دستخط کرنے ہیں انہوں نے فارم میں وہاں تصدیق کے دستخط کردیئے میں فائز اطرام کیرانہ لوٹا ڈاک سے سب کاغذات واسطے رجسٹریشن طبِ یونانی موٹے شرنارتھی ڈاکٹر (جو کایستھ واڑہ میں کلینک رکھتے تھے) نے لکھنؤ بھجوائے میری سند حکمت کا تجرباتی رجسٹریشن ہوگیا اور رجسٹرڈ حکیم بھی بن گیا مگر میں نے اس کو ذریعہ معاش نہ بنایا اور بشیر احمد کے ڈپٹی چیرمین بننے پر قریشی محمود ممبر کی کوشش سے پھر چپراسی ہی لگ گیا میرا تقرر ۱۹۶۳ء میں امام باڑہ اسکول میں ہوگیا اور ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۲ء تک میں نے کاندھلہ محلّہ خیل کی مسجد میں مدرسہ افتخاریہ کھلوا کر ۴۵ روپے ماہانہ پر کام کیا اسی دوران حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب اپنے صاحبزادہ راشدالحسن صاحب کو مولوی زین الدین صاحب کے پاس متعلم ہونے کے ساتھ میرے ذمہ بھی کافیہ وغیرہ پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ اور دس روپے ماہانہ ٹیوشن باندھا میں نے عرق ریزی سے تیاری کرکے مولوی راشد کو پڑھایا اور یہ بھی کہا کہ مولوی زین الدین صاحب کے پاس بھی پڑھتے رہو چنانچہ ان کے آئیڈیل استاد مولوی زین الدین صاحب تھے مگر میں نے بھی دلی رغبت سے نحو سمجھائی جس کو آج تک مولوی راشد مانتے آئے ہیں اور وہ کیرانہ میں میرے سامنے آنے پر رکشہ سے اتر جاتے ہیں یہ ان کا کمال ادب وشرافت ہے۔ سنتے ہیں چندن کا پیڑ اپنی خنکی نہیں چھوڑتا چاہے کتنے کالے زہریلے سانپ لپٹ جائیں وہ اپنی تاثیر قائم رکھتا ہے۔ اسی طرح شریف آدمی اپنی شرافت نہیں چھوڑتا چاہے کتنے ہی بازاری لوگ اس سے اُلجھ جائیں وہ آیت واذامرّوا باللّغو مرّوا کراما کا مظہر ہوتے ہیں۔

نوکری اور تیاری ہائی اسکول

ایک بار ایسا ہوا کہ منشی مقصود احمد و توفیق احمد علوی و حاجی ابراہیم بھٹّے والے و حافظ یعقوب ملتانی وغیرہ نے مولوی راشد کی دعوت پیڑوں کی یامین تیلی جھورے کی دوکان پر جو امام باڑہ پر تھی کی اور اتفاقاً میں بھی پہنچ گیا مولوی راشد کھانا تو در کنار رہا بیٹھے بھی بعد میں انہیں پتہ چلا کہ استاد کھڑے ہیں یعنی میں۔ تب وہ مجھے بٹھانے اور کھلانے پر متوجہ ہوئے تب مولوی راشد الحسن بیٹھے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ آنا جانا کاندھلہ سائیکل سے رہا اور میں وہاں سے پھر کیرانہ آ گیا جیسا کہ محمود ممبر قریشی نے الیکشن کے بعد نوکری دلانے کا وعدہ کیا اور انہوں نے بشیر احمد چیرمین سے کہہ سنکر چپراسی کی جگہ دلائی اور میں دوبارہ ۵۳ روپے ماہوار پر امام باڑہ اسکول میں لگ گیا اس دوران مختلف ڈیوٹیاں ناگواری کی اور خلافِ شرع لگیں مصلحت جان کر نبا ہیں اور وقت کو گزارا پھر غیرت جاگی کہ آنے والی اولاد کیا کہے گی ہمارا باپ چپراسی ہے، آخیر میں کچھ ہندی کی تیاری شروع کی کیونکہ میرا اتبادلہ دربار اسکول میں ہو گیا تھا جہاں ہندوؤں یعنی ہندو ماسٹروں نے پڑھانے سمجھانے بیداری لانے میں تعاون دیا ۶۶ء میں ہندی کی تیاری پانچویں تک میں نے کر لی اور ارادہ کیا کہ کوئی امتحان دونگا میں نے ماسٹر ڈالچند سے کہا کہ جو کہ ہریجن تھے کہ ذرا کالج سے معلوم کرو منشی کا امتحان کام آ سکتا ہے یا نہیں وہ جواب لائے منشی کی بنیاد پر آپ ہائی اسکول کر سکتے ہو میں نے محکمہ پر یہ ہی ظاہر رکھا کہ میں اردو کے علاوہ ان پڑھ ہوں، منشی کی سند جمع نہیں کی تھی میں نے ۱۹۶۸ء کا فارم ہائی اسکول کا بھر دیا اور میرا اتبادلہ ماسٹر نور محمد کے پاس امام باڑہ میں کر دیا گیا۔ دربار اسکول میں میرے مخلص مشیر ماسٹر ڈالچند و بھیم سنگھ رہے۔

ٹیچر ٹریننگ بی ٹی سی کے مراحل

میں ہائی اسکول امتحان میں بجز اردو فارسی کے ہندی، گنت، سوِکس میں فیل ہو گیا اسکے بعد پھر دوبارہ میں نے امتحان ہائی اسکول کا فارم انہی مضمونوں کے ساتھ دیا مسلم انٹر کالج اسارہ ضلع باغپت سے بھرا اور میری سیکنڈ ڈویژن آ گئی دراصل اردو فارسی میری ڈویژن بنانے میں خصوصی مددگار ہوئی اس کے بعد مجھے ماسٹر توصیف احمد صاحب نے اسلامیہ اسکول کیرانہ میں مدرسی کی دعوت دی وہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے انہوں نے کافی آدمیوں سے کہلوایا میں نے ٹیچر ٹریننگ میں جانا مناسب جانا اور بی ٹی سی کا فارم بھر دیا مجھے مختلف مراحل سی ایم او کا آئی سرٹیفکیٹ وغیرہ سے گزرنا پڑا اور ۷۱-۱۹۷۰ء میں ٹریننگ بی ٹی سی کے لئے منتخب کر لیا گیا جو ایک بڑی کامیابی تھی میں نے علیحدہ سے ذاتی حالات و عوارض پر مشتمل ایک عرض داشت ڈی ڈی

آر میرٹھ کمشنری کو بھیجی جو کہ اپائی منٹ اتھارٹی بی ٹی سی تھے میں چونکہ کیرانہ میں عیر معروف تھا اکثر زندگی باہر گزری تعلیمات و نوکری کیرانہ قصبہ وطن سے باہر گزاری اسلئے میں نے خصوصی طور پر ڈاکیہ کو کہا کہ میرا نام شمس الاسلام ہے اور ایک لیٹر میرا آنے والا ہے اگر تم نے توجہ رکھی تو وہ مجھ تک پہونچے گا میں تمکو پاؤ بھر پیڑے کھلاؤنگا چنانچہ اس لیٹر میں میرا پتہ صحیح نہ تھا ڈاکیہ بولا اس میں محلّہ خیر لکھا ہے خیل نہیں اگر تم نہ بتاتے تو میں واپس کرتا چنانچہ حسب وعدہ میں نے لالہ کرشن کایستھ واڑہ کیرانہ کے حلوائی کے یہاں جا بٹھایا اور پاؤ بھر پیڑے جو کے تین روپے آٹھ آنہ میں آئے کھلا دئے میں نے متعلقہ ٹریننگ کالج کو دیکھا تو مجھے راجکیہ دیکشا ودیالیہ بگھرہ کیلئے منتخب کیا گیا وہاں داخلہ کے لئے جو سامان درکار تھا اسکی تفصیل کچھ اسطرح تھی پھاوڑا تسلہ کھرپا بلب خاکی وردی سفید کرتا اور ٹوپی گاندھی مارکہ، پیرودا چکر خاکی جراب سفید کپڑے کے جوتے چارپائی بسترہ وغیرہ اسکے علاوہ بھی سامان درکار تھا جو یاد نہیں اور میرے پاس کوئی پیسہ جمع نہ تھا مگر خوشی بے انتہا تھی رولر بورڈ بھی منگایا گیا اس کام میں تعاون ماسٹر انوار احمد کلرک محکمہ تعلیم کیرانہ میرے بہت کام آئے انھوں نے کنیا پاٹھ شالہ ۳ سے رولر بورڈ لیکر مجھے دیدیا اور دیگر سامان کیلیے مولوی خالد امام جامع مسجد سے ۱۰۰ روپے دلوائے یہ یاد نہیں کہ یہ روپے امدادی دلوائے یا ادھار اور کچھ سامان خاکی قمیص اور پیرودا چکر پھلوں کے البم تصویر وغیرہ سراپا رحم ماسٹر محمد اسحٰق ساکن موضع گندراؤ سے دلوائے ان کی شان میں یاد آتا ہے۔

اوروں کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب کچھ بھی نہیں ہم کو اسحٰق کے سوا یاد

اس طرح باری تعالیٰ نے غیبی مدد فرمائی اور میرا داخلہ ہو گیا میں بگھرہ دو شب گذارتا اور پھر کیرانہ شب گذارتا اس طرح میں نے ۱۰ مہینہ بہت اچھے گذارے گھر والی نے بھی پورا ساتھ دیا اور ٹریننگ کال باعزت پورا ہوا میں چپراسی عہدہ پر تھا اور استعفیٰ دے کر نہیں گیا بلکہ چھٹی لے کر گیا بلا تنخواہ چھٹی جولائی سے اپریل تک گزاری یکم مئی کو چپراسی عہدہ پر دوبارہ آ گیا اور میرا رزلٹ جولائی میں آیا جس میں بی ٹی سی کے ایک پرچہ میں میں فیل ہو گیا بی ٹی سی میں تھیوری کے ۴ پرچے ہوتے ہیں، شکشا سدھانت، شکشا منووگیان، شکشن ودھیان، پاٹھ شالہ پربندھ چنانچہ میں پاٹھ شالہ پربندھ میں فیل ہو گیا جو کہ ایک آسان پرچہ تھا اور لگاتار دو سال ہوا تیسری بار بموجب اصول محکمہ اب کی بار مجھے پوری تھیوری کے ۴ پرچوں کا امتحان دینا پڑا چنانچہ اس بار میں منووگیان اور شکشا سدھانت میں فیل ہو گیا پاٹھ شالہ پربندھ اور شکشن ودھیوں میں پاس ہو گیا ابکی بار اگر فیل ہوتا تو مجھے بتایا گیا کہ پریکٹیکل بھی دینا پڑیگا، مگر میں نے ایگزامنر تک رسائی کے لئے بطور خرچ ۵۰۰ روپے اپنے فنڈ سے نکلوائے اور میں مختلف ممتحنین تک پہنچا پتہ صرف دو جگہ کا لگا ایک لکھنؤ کا' دوسرا بلند شہر' جب میں بلند شہر پہنچا تو کاپی شکشا سدھانت ضلع بیسک شکشا ادھیکاری دھیمان صاحب ساکن شاملی کے پاس تھیں انہوں نے کیرانہ کے حالات پوچھے کیونکہ وہ یہاں ایس ڈی آئی رہ چکے تھے اور مجھے پاس کا یقین دلایا پھر میں

لکھنؤ پہنچا جہاں دو کاپی تھیں ایک کاپی کا ایگزامنر اپنے مقام نرالانگر لکھنؤ مکان ۶۲۳ پر نہ مل سکا اور مجھے رات ہوگئی ان کے برابر میں ایک پنڈت گھرانہ تھا جو کہ میری پریشانی کو سمجھ رہا تھا اور شام غروب آفتاب کا ٹائم انتظار میں آ گیا تھا اور گھنٹوں ان کے سامنے والی سڑک پر ٹہل رہا تھا اور وہ اپنے فلیٹ کے آنگن سے میاں بیوی مجھے دیکھ رہے تھے انہوں نے مجھے بلایا اور تسلی دی کہ وہ صبح آجائیں گے کل اُن کا ورک ڈے ہے آج اتوار میں کانپور گئے ہیں انہوں نے مجھے محبت سے کھلایا پلایا اور تسلی دی اور گرمی کا موسم تھا ہلکی سردی تھی چھت پر مجھے سلایا اور اوڑھنے کو بستر ہ کمبل دیا صبح نو بجے ایگزامنر آئے اور انہوں نے سنتے ہی کہا کہ ٹریننگ اسکول شاملی کی کاپیاں ہیں بگھرہ اسکول کی نہیں ہیں گویا مجھے نمبر اور تاریخ غلط دی گئی۔ یہ سن کر کافی افسوس ہوا پھر میں دوسرے ایگزامنر کو تلاش کرنے کے لئے ریلوے پارسل گھر گیا کہ اس نمبر اور تاریخ کی بلٹی کس نے چھڑائی ہے اُس نے دس روپے مانگنے میں نے دیدئے اُس نے کہا چھڑانے والا اپنا نام غیر واضح لکھ گیا ہے اور اسکول کا نام بھی نہیں لکھا یہ آپ کی بدقسمتی ہے ہم لکھنؤ سے بے نیل و مرام خدا پہ بھروسہ کرکے واپس ہوئے اللہ نے سبھی مضمونوں میں مجھے پاس کردیا یہ ۷۵ء کا امتحان بی ٹی سی تھا چنانچہ ۱۹۷۵ء میں مجھے باقاعدہ ٹیچر مان لیا گیا حالانکہ میں ۱۹۷۱ء میں ہی اَنٹرینڈ ٹیچر اردو جو تمام مضامین کو اردو میں پڑھانے لگا دیا گیا کیونکہ یہاں کیرانہ میں سپرٹنڈنٹ تعلیمات کے نام آرڈر آیا کہ ایسا ٹیچر جلد سے جلد رکھو جو ٹرینڈ ہو اور سبھی مضامین اردو میں پڑھا سکے جب میرا انٹرویو ہوا تو اس وقت میونسپل بورڈ کے ماتحت اسکول تھے انٹرویو جناب اسامہ بن فاضل ایگزکٹیو افسر اور بشیر احمد چیرمین کیرانہ اور مہابیر ممبر میونسپل بورڈ اور سپرٹنڈنٹ تعلیمات کیرانہ اور آفس کلرک موجود تھے مجھ سے پہلے ہندی کے مشکل الفاظ کا ایک صفحہ املا لکھا گیا جس کے صحیح ہونے کی تصدیق سپرنٹنڈینٹ تعلیمات نے کی اُس کے بعد جناب بشیر احمد نے پوچھا کوئی اردو کا شعر سناؤ میں نے کہا۔

فلسفی کو فلسفہ میں خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہوں پر سرا ملتا نہیں

اُس کے بعد جناب اُسامہ بن فاضل مرحوم ایگزکٹیو آفیسر میونسپل بورڈ کیرانہ نے پوچھا کہ الطاف حسین حالؔی کا کوئی شعر سناؤ میں نے کہا سنئے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
کوا کب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں
ولیوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اُس کے بعد بطور غیر متعلقہ مضمون فارسی کے بارہ میں اسامہ صاحب نے پوچھا کہ آپ نے گلستان فارسی پڑھی ہے میں نے کہا ہاں پڑھی ہے آپ پڑھئے میں ترجمہ کروں گا انہوں نے پڑھا طائفہ دزداں برسرِ کوہے نشستہ بود میں نے کہا جناب برسرِ کوہے نہیں ہے بلکہ برسرِ قلہ کوہے اصل عبارت ہے اس پر وہ چیخ کر بولے آپ مجھے کی ٹی سائز نہیں کرسکتے اُس کے بعد میری برابر میں بیٹھے سپرٹینڈنٹ تعلیمات نے کہنی ماری جو اشارہ تھا کہ برداشت سے کام لو انٹرویو خراب نہ ہونے پائے کیونکہ وہ خدمت گار طبیعت کا آدمی مجھے جانتے ہوئے رکھنا چاہتے تھے بہوگنا وزیر اعلی کے زمانے میں ڈائرکٹر تعلیم کا محکمہ جاتی دباؤ بھی بڑھتا جا رہا تھا بابوجے گوپال کلرک نے بھی برابر سے کہنی ماری میں نے دم سادھ لیا اُس کے بعد چیرمین صاحب نے اسناد مانگی میں نے ہائی اسکول منشی کی اسناد رکھ دی ادیب اور بی ٹی سی مارکشیٹ بھی رکھ دی چیرمین صاحب بولے کہیں کیسی روشنائی کہیں کیسی روشنائی اسناد مشکوک ہیں اور سب سندیں ہاتھ سے ہٹا کر واپس کردیں انٹرویو ختم ہوا ہم باہر آ گئے میں نے سپرٹنڈنٹ تعلیمات سے باہر آکر کہا اگر میری سندیں فرضی ہیں تو میں کیرکٹر سارٹیفکیٹ متعلقہ کالجوں سے بنوا کر لادوں کیونکہ سبھی کالج آس پاس ہی محل وقوع میں ہیں انہوں نے کہا کوئی ضرورت نہیں سب پارٹی بازی کی باتیں ہیں جن سے ہم کو کوئی سروکار نہیں نہ ہی آپ کی سندوں میں کوئی شک ہے آپ کاروائی انٹرویو کاغذ پر دستخط کریں میں فائل بناتا ہوں آپ کا کام ہوگا چنانچہ سپرنٹنڈنٹ تعلیمات نے موقعہ محل اور موڈ سے فائدہ اٹھا کر چیرمین میونسپل بورڈ سے منظوری لے لی اور مجھ کو 18/9/71 کو پرائمری اسکول کلا لان میں ٹیچری پر متعین کردیا جو کہ 4/11/03 تک عہدہ برقرار رہا اس دوران نہ میرا تبادلہ ہوا اور نہ میں نے ہی چاہا کیونکہ دوسری جگہ دوسری دقتیں سامنے آتیں جو وہاں جانے پر معلوم ہوتیں اس لئے رضا برقضا رہا ایک بار رام کھلاری ایس ڈی آئی نے کہا یہ ملا جی کہاں سے رکھ لئے میں نے کہا یہاں لالہ جی اور پنڈت جی اور ملا جی تینوں کا سنگم ہے مگر آپ نے موتی رام کو لالہ جی اور شیام سندر کو پنڈت جی نہیں کہا محض مجھے ہی ملا جی سے نوازا اس پر وہ بولے آپ فیل کرگئے میں نے کہا بات یہ ہے جب میں اسلام کے پختہ کار تبلیغی دینیوں میں جاتا ہوں تو مجھے ملاؔ کے معیار سے گرا ہوا جانا جاتا ہے اور میری داڑھی ان کے برابر نہیں ہوتی اور جب میں ٹیچر سماج میں آتا ہوں تو یہی داڑھی اثر انداز بن جاتی ہے گویا میں مصداق اس شعر کے ہوگیا۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم میری حلقہ بندی کیسے ہوگی؟

اس پر ایس ڈی آئی کافی ہنسے۔ میں پرائمری اسکول کلا لان ۷۱ء سے ۲۰۰۳ء تک ٹیچر رہا۔ اور رام کھلاری جب ملتے کہتے کہ وہ شعر سناؤ ''زاہد تنگ نظر والا'' میں کہتا حضور آپ نے تو مجھے بس داڑھی سے مجرم بنا

دیا وہ بولے کیسے، میں نے کہا۔

''ایک ہی نقطہ نے محرم سے مجرم کردیا
ہم دعا لکھتے رہے، وہ دغا پڑھتے رہے''

کوئی نماز کو جائے اور جُوتے چُرائے تو نماز بُری نہیں۔ کوئی داڑھی رکھے اُس کا تقاضہ نہ سمجھے داڑھی کی آڑ میں شکار کھیلے اس میں داڑھی رکھنے کی خوبی سے کیسے بدظن ہوگے۔ نماز، داڑھی نبیوں، سنتوں کا شیوہ ہے۔

تقرری بطور ٹیچر

چونکہ میں بی ٹی سی کے تھیوری کے پرچے میں تین سال لٹکا رہا چوتھے سال پاس ہوا اور مجھے تقرر نامہ بی ایس اے کی جانب سے مستقل جگہ ٹیچری کا مل گیا اور ۱۹۷۴ء شروع ہو گیا سال ۱۹۷۴ء بھی انقلابی سال تھا اس میں ہی ۹ جنوری ۷۴ء کو بھائی عبدالرحیم کا انتقال ہوا۔ اور قبرستان نوریان گورغریبان کاندھلہ روڈ میں مدفون ہوئے نماز جنازہ مولوی خالد صاحب نے پڑھائی۔ ا جنوری ۷۴ء میں سردی ۳۰ سال کے بعد سخت ترین آئی تھی شیت لہر جاری تھی اور عرصہ سے مولوی عبدالرحیم مبتلائے کینسر تھے اس قسم کے عوارض میں وہ دو سال مبتلا رہے چھ ماہ تک پھوڑا گردن کش نے پریشان کیا۔ عبدالرحیم گگڑے نے عبدالرحیم مولوی کے پھوڑے کا علاج کیا ازیں پیش سرین پر ایک پھنسی نکل آئی تھی اخیر کے نمبر پر پیٹ کے پھوڑے جان لیوا بنے۔ ۹ جنوری ۷۴ء کو ہی ان کی زوجہ رفیقاً بھابی نے لاولد ہونے کے ناطے ایک اقرار نامہ مرتب کرایا جس میں مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار تھا (۱) مکان بموجب اقرار آج ۹ جنوری ۷۴ء کو ۱۰ ہزار روپے رفیقاً کو بیچ دیا ۹ ہزار وصول آج ۹ جنوری ۷۴ء میں ہوگئے ایک ہزار باقی رہے اقرار نامہ پر بیع نامہ۔ بیع نامے کھلنے پر کرائیں گے۔ چھ ماہ کے اندر بیع نامہ کرالیا جائے گا یہ اقرار نامہ جب تیار ہوا تو مولوی صاحب کی حالت ان حالات کو دیکھ کر دگرگوں ہوگئی اور فوت ہوگئے دستخط عبدالرحیم رہ گئے۔ حالتِ نزع میں ان کے لواحقین نے زبردستی انگوٹھ نشانی لگایا جس کے صدمے سے مولوی صاحب ۹ جنوری ۱۹۷۴ء جمعرات کو فوت ہوگئے۔ اور میں شام ۴ بجے پیرکوان سے تفصیلی گفتگو سے ملا تھا۔ انہوں نے اسی مکان کے جھگڑے پر پڑھا تھا۔ جو اَب تک یاد ہے۔ وفات جمعرات کو ہوئی پیر کو جانا ہوا بیچ میں نہ جاسکا کیونکہ مجھ پر الزام جادو کرنے کا زوجہ رفیقاً کے لوحقین نے لگا دیا تھا دور بیٹھا دعا دیتا رہا جب بھی ملنے گیا الزام تراشیاں سامنے آئیں دل دُکھا۔ پیر کے روز مولوی عبدالرحیم نے جو شعر سنایا وہ یہ ہے۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد

و گردم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

(ترجمہ: میرے دل میں ایک درد ہے، اگر کہوں تو زبان جل جائے، اور اگر چپ رہوں تو ڈرتا ہوں ہڈیوں کا مغز جل جائے۔

ہم نے سب ہی مضامین مفتی مظاہر علوم سہارنپور کو بصورت استفتاء لکھے انہوں نے اقرار نامہ مرض الوفات میں مرتب کرنا غلط بتایا مرض الوفات میں اگر اقرار نامہ دستخطی بھی ہوتا تو غیر معتبر ہے۔ غرض کچھ دنوں انتظار کیا گیا کہ حق جاگے عدت گذر گئی کوئی صورت فیصلہ کی سامنے نہ آئی کیونکہ نہ کوئی دردی تھا نہ غرضی سب ہی رشتہ دار دوطرفہ ڈفلی بجاتے رہے اور مقدمہ مختلف شکلوں میں مختلف عدالتوں میں ۲۵ سال تک چلا جس میں وقت اور پیسہ کی بربادی بیحد ہوئی اور باہمی تبرا بازی تضیع اوقات ہو۔ اور دینی کمزوریاں بھی لاحق ہوگئیں۔

صلح مقدمہ وفروختگی مکان چھڑیان

۱۹۹۶ء میں عزیزم نجم الاسلام کی لگاتار کوشش و مدد سے باہمی صلح نامہ مرتب ہوکر بات ختم ہوئی اور مکان آبائی محلّہ چھڑیان کیرانہ ہم تین بھائیوں کا ہوگیا' اور فریق ثانی محمد یوسف وعبداللطیف برادران زوجہ عبدالرحیم بھابی رفیقاً کو ۸۵ ہزار روپیہ دیا گیا بھائی عبدالرحیم نے ایک لڑکی دہلی کی گود لے رکھی تھی وہ بھی واپس دہلی ان کے عزیزوں کو دیدی جنہوں نے اس کا نکاح اپنے کفو میں کردیا لڑکی کا نام حور بانو تھا اس مکان میں شریکِ حصہ دار بھائی محمد یٰسین نے اپنا حق تین ہزار روپے میں دوران مقدمہ مجھے بیچ دیا تھا کیونکہ ان کے حالات معاشی بگڑے ہوئے تھے اور قاری حبیب الرحمٰن نے اپنا حق تبادلہ میں چھوڑا کیونکہ میری گھر والی امینہ کا حق مکان خسر صاحب حاجی اسمٰعیل عرف بھورہ میں ۱/۳ تھا جو کہ میرے خسر تھے اور بھائی حبیب الرحمٰن کے بھی وہی خسر تھے دونوں بہنیں دو بھائیوں کے نکاح میں ہیں لہٰذا ایک چوتھائی بدلہ ایک تہائی کے برابر کیا کیونکہ ادھر بھی مقدمہ بندہ بنام مینا چلا مکان خسر پر بلاوجہ چلا تھا جس میں حاجی بھورہ کی تینوں لڑکیوں کا پیروکار میں بنا اور سبھی خرچ مجھے اٹھانا پڑا اسی طرح مکان چھڑیان میں ۲۵ سال مقدمہ لڑا کسی سے کوئی مدد پیسہ نہیں لیا بلکہ اولاد احباب تمسخر ہی کرتے رہے تعمیری سوچ کسی کی بھی نہ تھی اور جب فیصلہ بمساعی نجم الاسلام ہوگیا ہر کوئی کہنے لگا میں نے یہ کیا میں نے یہ سوچا:

کچھ خطا ان کی نہ تھی، بگڑی ہوئی تقدیر تھی
تیوری بدلی ہوئی، اک مثالِ تیر تھی

اس مکان چھڑیان میں۔ گھر والی بطور قبضہ ایک سال رہی مگر کب تک اصل بساست بہوؤں سے تھی ایک دہلی کی بہوتھی، ایک امام گیٹ کیرانہ کی جو امام گیٹ پر سے اپنے لواحقین سے دور رہنا پسند نہ کرتی تھی وہاں اسے غیر

برادران میں رہنا پڑتا۔

وضاحت تقسیم میراث ،بقیدِ حیات

مکان چھڑیان بک کرر ہا۱۹۹۸ء میں بِکا اور بدلہ میں نجم الاسلام حصہ دار ایک تہائی نے مکان بدر دہلی والے کو تین لاکھ ساٹھ ہزار میں خرید لیا کیونکہ بدر کا تبادلہ جالندھر ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے جیون کال میں ہی اپنی میراث بطور ہبہ طے کردی۔ مکان عیدگاہ بدرالاسلام اور محمد عمر کو برابر برابر دیا (بعد میں حدود پر اختلاف ہوا جس کی تلافی کے لیے ہم دونوں مالکان میاں بیوی نے ایک وضاحت نامہ لکھا جس میں حدود کی وضاحت کی جس رو سے بدر کا حصہ موجودہ نلکا (ہینڈ پمپ) اور موجودہ بدر کی تعمیر تک۔ بقیہ موجودہ دروازہ، پیڑلسوڑہ سمیت محمد عمر کا اور وضاحت یوں کی کہ موجودہ بدر والے حصّے کی تعمیر کی کھڑکیاں محمد عمر کے حصّے میں کھل رہی ہیں۔ اس وضاحت نامہ پر پچھلے گواہ یامین اور محبوب ساتھ ہی حاجی صابر (چودھری باغبان)، ناصر حسن' داماد' کے دستخط بھی کرائے گئے ہیں۔) اور حصۂ نجم کو تین لاکھ ساٹھ ہزار نقد دیا۔

بدرالاسلام نے ہائی اسکول ۷۷ء میں کیا اس کے بعد ایک ساکن نظام الدین کی کوشش سے وہ ہیلتھ منسٹری نرمان بھون دہلی میں کلرک بن گئے اور کلرکی پر لگانے والے نے ایک تنخواہ بطور انعام مانگی۔ یہاں پیسہ کہاں تھا بدرالاسلام کے لئے سونے کے بندے حاجی شفیق احمدِ بساطی کے یہاں گروی رکھے گئے۔ اور ۴۶۰ روپے دئے گئے اور تقرری نامہ ان کو مل گیا بعد میں وہ اپنی مساعی سے اور دُھریندر برہمچاری کے آنے پر یوگا ٹیچر بن گئے اور گریڈ بھی بڑھا اور ترقی ہوئی جس پر وہ آج بھی فائز ہیں اور مختلف ممالک کی مسابقت یوگا اور اسکاوٹ میں نمایاں حصہ لیا اِسی دوران نجم الاسلام منجھلے صاحبزادے بھی منشی پاس کرنے کے بعد اُسی کی بنیاد پر ہائی اسکول کا امتحان مسلم انٹر کالج ڈاسنہ میں دیا انہوں نے بھی قسمت سے اچھے نمبر پائے اور وہ کشمیر گئے۔ سری نگر میں شیخ عبداللہ وزیر اعلیٰ کشمیر کی مساعی سے ایک جگہ اردو ٹائپ سکھانے کی حاصل کر پائے تنخواہ اس وقت اچھی یعنی ایک ہزار روپے جبکہ یہاں دہلی یوپی میں درجہ سوم ملازمین کو چھ سو روپے ہی مل پاتے تھے اردو ٹائپ سکھانے کے لئے اقبال ہال سری نگر تھا وہاں ان کی ملاقات مولوی مطہّر صاحب سے ہوئی جو کہ اپنے اہل وعیال سے حیدرآباد سے بچ کر گوشہ نشین کشمیر ہو گئے تھے اور دینی اموران کا مشغلہ رہا وہ کیرانہ بھی آئے اور چھ ماہ تک میرے پاس مکان چھڑیان میں قیام کیا سیاسی بیداری تھی اور ضروریات دین پر وہ عمل پیرا رہے انہوں نے شادی کا بھی چکر چلانا چاہا مگر اُن کا کفو ملنا مشکل تھا۔ اردو ٹائپ بدرالاسلام، نجم الاسلام نے وقت کے تقاضہ کے ساتھ دہلی میں سیکھی اور وہیں پر نجم صاحب بطور اردو انسٹرکٹر اردو اکیڈمی دریا گنج دہلی میں ملازم ہو گئے اور انہوں نے دہلی مضافات میں کافی شاگرد بنائے اور روزگار بھی دلائے اپنی طبعی خوش اخلاقی اور جذبۂ

خدمت سے ان کے علائق دہلی میں ہو گئے اور مولانا وحیدالدین قاسمی نے تحریک نکاح چلائی اور ہماری مرضی پر انہوں نے سادگی سے مسماۃ عابدہ اپنی لڑکی کا نکاح نجم الاسلام سے کر دیا جس سے دو لڑکے تین لڑکیاں موجود ہیں بعد میں نجم صاحب کو وزیر اعظم وی، پی سنگھ کے دفتر میں شری دیوی لال نے بطور انگلش اردو پی اے بلا لیا اور وہ ایک سال تک وہاں رہے' جہاں انہوں نے بہت انقلابی امور انجام دئے اور مدرسین کیرانہ میں کچھ کو سراہنیہ پتر بھی دلوائے اور مایوس حاجیوں کی درخواست حج منظور کرائیں۔ انہوں نے انگلش میں بدرالاسلام کی تحریک پر کافی محنت کر کے عبور کیا کیونکہ بدرالاسلام کی نگاہ میں سنٹرل گورنمنٹ کی ملازمت کا مدار انگلش دانی ہوتا تھا میں نے انگلش پرائمری سے آگے نہ جانی کیونکہ میرا رجحان عربی کی طرف تھا جس کو میں آج بھی فری آف چارج پڑھاتا ہوں بدرالاسلام نے انگریزی تعلیم کا حصول مظفر نگر کیا کیونکہ وہ جیل والی مسجد میں امام و خطیب بن کر رہے تھے۔ اور پھر متبادل ہو کر جالندھر کیندریہ اسکول ۔۳ میں شریر وگیان ٹیچر رہے ہیں، دہلی تبادلہ ان کا راجوری گارڈن سنٹرل اسکول میں ہو گیا وہ ابھی محلّہ خیالہ میں کرایہ پر مکان دیکھ رہے تھے ۲۰۰۴ء آخیر میں انکا تبادلہ چھتیس گڑھ ہو گیا۔ ویسے عارضی طور پر وہ متبادل ہو کر دہلی ہیڈ آفس سنٹرل اسکول میں مختلف کیمپ قائمی اور تقریبات بابت یوگا میں جاتے رہتے ہیں۔

حج (۹۹ء) کرنا میرا مع اہلیہ کے

کلالان پرائمری اسکول کیرانہ میں کام کرتے کرتے ۱۹۹۹ء آ گیا اور میں نے حج میں جانے کا پختہ ارادہ کر لیا میرا انتظام تھا کچھ جمع تھا کچھ .P.F سے لیا مگر اہلیہ کو ساتھ لے جانا تھا جس کا انتظام نہ تھا نجم الاسلام اپنی والدہ کو کافی دنوں سے جٌن کہہ کر پکارتے تھے ان کا کہنا بر آیا اور اُس کا انتظام نجم الاسلام نے کیا اپنا .P.F جو ماہانہ کٹتا تھا، نکلوایا اور خدا نے اچھا انتظام فوری کرا دیا جس کی جلدی ہونے کی نجم کو بھی کم امید تھی اب سوال فوری منظوری حج کا تھا اس کو بھی انہوں نے ایک ملنے والے ایم پی سے حل کرایا کیونکہ ان کے علائق وزراء ممبران پارلیمنٹ اور ملازمین سے خوش اخلاقی کی بنا پر وسیع ہو گئے تھے ہم دونوں کو ۱۴ر فروری ۱۹۹۹ء کی فلائٹ سے جدہ بھیج دیا گیا جہاں ہم نے ارکانِ حج ادا کئے حج میں دیکھی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

جنازہ میں ایک طرف سلام:

نماز جنازہ میں ایک طرف سلام اہل عرب کا رواج ہے ہم دوطرفہ سلام پھیرتے ہیں۔

دعا میں حضور کا طفیل یا صدقہ کی ممانعت:

متصل وضوخانہ ۳۱، مسجد نبوی میں بعد المغرب خطیب خطاب کرتا تھا جس میں تلقین ہوتی تھی کہ حضورؐ کے وسیلہ سے دعا نہ کریں وابتغوا الیہ الوسیلہ آیت میں وسیلہ کے معنی تقرّب کے بتاتے تھے یہی تفسیر ابن عباسؓ نے

بتائی۔

بعد نماز دعا نہیں:

عصر کی نماز کے بعد ہندی ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں عرب عصر کا سلام ہوتے ہی دوکانوں پر آبیٹھے ہیں۔

داڑھی کا رواج نہیں:

حرم شریف کے فراش خدام دیکھے گئے سب ریش میتراش ملے سب کے داڑھی ندارد اس پر مجھے مرزا بیدلؔ یاد آگئے، جن کو کہا گیا تھا کہ داڑھی منداتے ہو تو بولے ہاں منڈاتا ہوں کسی کا دل نہیں چھیلتا۔ جواب وسال اس طرح ہوئے۔ آغا ریش میتراشی (ترجمہ: داڑھی کٹواتے ہو؟) اس نے جواب دیا بلے می تراشم و لے دلِ کس نمی خراشم (ترجمہ: ہاں داڑھی تو کٹواتا ہو مگر کسی کا دل نہیں دُکھاتا)۔ انہوں نے کہا دلِ رسول می خراشی کہ اعمالِ امت برو ملائک می رساند (ترجمہ: تم رسول کا دِل دُکھاتے ہو، امّت کے اعمال فرشتے اُن تک پہنچاتے ہیں)

ان پر پیش کردہ اعمال ہوتے ہیں ان میں ریش تراشیدن بھی ہے غرض مودودی مسلک یا پرویز مسلک کے بطور اُن پر جدید حالات کا اثر پایا مفتی فلسطین کو داڑھی منڈا اور کوٹ پتلون میں پایا یہ سب جدت اور احداث فی الدین تھا محمد بن عبدالوہاب بخدی بڑا کٹر اور راسخ العقیدہ تھا اُس کا مسلک ریش بُریدن نہ تھا نہ داڑھی منڈانا تھا یہ خدام نہ وہابی ہیں اور نہ مودودی کیونکہ مودودی صاحب بھی کچھ داڑھی جو چالیس قدموں سے نظر آجائے رکھنے کے قائل ہیں مولوی اختر شاہ صاحب مرحوم جو مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ تھے ایک روز انہوں نے اپنی نظم جلسہ میں سنائی تھی اُن کے اشعار پسند آئے:

دل چھیلتے ہیں شہ کا، یہ چھیل چھبیل کلّے
کس درجہ بے حیا ہیں، داڑھی منڈانے والے
فرعون کا بھی چہرہ، داڑھی سے تھا مزین
فرعون کے چچا ہیں، داڑھی منڈانے والے

قبرستان کی مسماری:

جنت البقیع مدینہ کا قبرستان جنت المعلیٰ مکہ کا قبرستان ہے دونوں جگہ قبرستانوں کے نشان نہیں ہیں ہموار اور چٹیل میدان ہے۔ جب وہابی خیال کی حکومت آئی سبھی مزارات اور مقبروں کو ڈھایا۔ عالم اسلام خصوصاً ایران میں کھلبلی مچ گئی نتیجہ یہ کہ سعودی حکومت کو کنونشن عالم اسلام کرنا پڑا ہندوستان سے مولانا شبیر احمد مفتی کفایت اللہ نمائندہ بن کر گئے۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔

من سن سنۃً حسنۃً فلہ، اجرھا واجر من عمل بھاومن سن سنۃً سیئۃً فلہ، وزرھا

ووزر من عمل بھا

کے مصداق ڈھانا بند کرو قیامت تک اس فعل کا عذاب اسے ہوگا جس نے یہ فعل کیا اچھا کیا اچھا بدلہ، برا کیا برا بدلہ ملے گا۔ آپ امت میں فتنہ نہ پیدا کریں چنانچہ کچھ سعودیہ میں مدینہ مکہ سے باہر کے مزارات بچ گئے اور اُن میں توڑ پھوڑ نہ کی۔ ہمارا قیام متصل حرم شریف شامیہ محلّہ میں تھا وہاں تک نمازی آجاتے تھے کیونکہ ۵ روز خصوصی حج کے تھے۔ جن میں بے تحاشہ بھیڑ ہوتی تھی مدینہ سے جب جدہ آرہے تھے واپسی کے لئے تو مجھے مصری ڈرائیور سے عربی بولنے کا شوق پیدا ہوا میں نے تمام راستہ عربی میں بات چیت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس ڈرائیور نے کہا کہ بس بھری ہوئی ہے سب ہی حاجیوں سے بخشش دلاؤ میں نے سوچا یہ کیسا آدمی ہے تین زبان اردو انگریزی عربی میں لکھا ہوا ہے ڈرائیور لوگ اگر مانگے تو مت دینا یہ ان کی عادت ہوگی جو موٹر میں جلی قلم سے تین زبانوں میں لکھوایا گیا ہے۔ میں نے سوچا اب عربی گفتگو اور مدارات کا تقاضہ ہے کچھ نہ کچھ کرو میں نے اپنے ساتھی محمد رفیع ساکن سیلم پور دہلی سے دو ریال مانگے اور اپنے سے دو ریال ملائے چار ریال دے کر سب بس والوں سے مانگنے سے عذر کر دیا۔

میں جب رمی جمار کر رہا تھا تو گھر والی کو علیحدہ سے رمی جمار خود کرنا تھا کیونکہ وہ عاجز نہ تھی عاجز کی طرف سے دوسرا کر سکتا ہے اس کی کنکریاں فوراہ نما مجسمہ شیطان کی ہَودی میں نہ جا سکی کیونکہ بھیڑ بہت تھی بھیڑ کی وجہ سے الگ ہو کر دور سے کنکر مارنی ہوتی تھی۔ ہم نے کہا چلو ہوگئی مگر جب منی اپنے خیمہ میں آئے اور مسئلہ کی تحقیق کی تو دوبارہ گھر والی کو ۶۰۷ روپے خرچ کر کے دیگر رمی جمار سے رہنے والی عورتوں کے ساتھ بھیجا اور رمی جمار کرائی جب میں رمی جمار کے لئے عقبہ اولیٰ کے قریب پہنچا تو بے تحاشہ بھیڑ تھی نیچے نگاہ ڈالی زمین پر ۵۰۰ عربی ریال اور بیگ پڑے ہوئے تھے۔ کہیں خوشنما چٹائیاں راہ میں پڑی تھیں کثرت ہجوم اور دھکا پیل میں اُن سے گر گئے اور جو بھی اٹھاتا پھر اس کو اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا یہ تھی دھکا پیل رمی جمار میں۔

میں نے جاتے ہی ریال بدلے اور ایک دن بعد مدرسہ صولتیہ میں جا کر میں نے بطور امانت روپے جمع کر دئے اور رسید لے لی تھی۔ وہاں درخواست کے ساتھ فوٹو بھی جمع میں مانگتے ہیں۔ میں نے فوٹو بھی دے دیا۔

جب حج سے واپس آئے تو سبھی خرچ کرایہ وسامان لیکر 2 لاکھ میں سے پچاس ہزار بچ گئے تھے۔ وہ ہم نے نجم الاسلام کو دیدئے کیونکہ انہوں نے قریب ۶۷ ہزار روپے سے مدد پہنچائی تھی بعد میں یہ سب روپیہ دیدیا گیا اور نجم صاحب نے مکان نظام الدین سے بدل لیا اور لبِ نالہ ابوالفضل اوکھلا دہلی میں ایک لاکھ چالیس ہزار کا لے لیا بعد میں بدر کا تین لاکھ ساٹھ ہزار میں ایم۔۱۴/ ابوالفضل انکلیو میں لیا کیونکہ انکو روپیہ مکان چھٹریان کیرانہ بیچ کر ملا تھا۔ جہاں اب ۲۰۱۳ء میں بھی مقیم ہیں اور بدر الاسلام بھی جالندھر سے دہلی متبادل ہو کر آگئے وہ بھی تلاش مکان کے لئے شاہین باغ محلّہ میں سرگرداں ہیں۔ انھوں نے دوبارہ شاہین باغ کے متصل

ابوالفضل کے آخر میں مکان ۲ لاکھ دس ہزار میں لے لیا ہے اور بنام سنجیدہ زوجہ خود کر دیا ہے دورانِ حج دیسی اور ایلوپیتھی ادویات جن کا میں عادی تھا ان کے نہ ملنے پر کچھ پریشانی ہوئی مگر اس پر قابو کر لیا گیا بڑی پریشانی رونما ہوئی بیس روز تک بیڑی نہ ملنے کی شکایت رہی آخر ایک دوکان محلّہ مسفلہ میں عبدالستار کی پوشیدہ بکری کی ملگئی چائے بھی بیس دن تک نہ پی، بڑی بدبو پاؤڈر کے دودھ سے محسوس ہوئی آخیر حاجی اسلم بساطی کے حیلۂ جمیل سے اس کے بھی عادی بن گئے اور پینے لگے۔ حاجی اسلم نے کہا آؤ تم کو دودھ کی چائے پلائیں یہ ان کا حیلہ تھا چائے منھ لگانے کا۔ جب عرفات سے ۹ ذی الحجہ شام کو مزدلفہ پہنچے تو سر کھلا رکھنا اور احرام ضروری تھا مجھے بے حد سردی لگی اور بار بار سر کو چادر احرام سے بھول کر ڈھکتا تھا اور فوراً ہی ساتھی مجھے ٹوکتے ۲ گھنٹہ یہ تکلیف رہی پھر ہوا تھم گئی اور سکون ہوا حج کے ساتھی حاجی جمیل ساکن گلاوٹھی باڑھیوں والی مسجد کے اور مولانا محمد انیس احمد بلگرامی تھے کیرانہ سے بھی مولوی اشفاق اور حاجی شریف احمد تیل ڈپو والے تھے۔ جن سے تفریح طلب مکالمے اندر صحن حرم ہوتے تھے۔

حج بیت اللہ سے واپسی ہوئی ایک ڈی سی ایم کیرانہ سے محلّہ والوں کا استقبالیہ ہوائی اڈہ پر کیرانہ لانے کو ملا اہل کیرانہ میں بعض نے شکایت کی کہ پتہ بھی نہ چلا کب گئے میں نے کہا جب صحیح انتظام خرچ نہ تھا کیسے کہتے کہ ہم جارہے ہیں۔ وقت کے وقت اللہ تعالیٰ نے سب انتظام کر دیا میں نے دوران ملازمت اپنی دنیوی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے بی اے اور ایم اے کا امتحان دیا حالانکہ بی ٹی سی اور ہائی اسکول ہونے کے ناطے کوئی ضرورت ترقی تعلیم کی نہیں تھی مگر میں نے مناسب جانا کہ لڑکوں نے تو بی اے ایم اے کر لیا اور میرے ساتھی مدرسین بھی بی اے اور ایم اے تھے اسلئے میرا احساس جاگا اور میں نے انکو ضروری جانا۔ اور دونوں امتحان پاس کئے۔

جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کے بارہ میں

عرب ممالک میں تو گلے میں تعویذ لٹکانا شرک جانتے ہیں وہاں تعویذ گنڈے قطعاً ممنوع ہیں میں تعویذ گنڈے کو موثر جانتا تھا مگر اسمیں کبھی دلچسپی نہ لی دوران قیام کاندھلہ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب نے مجھے بیاض مولانا مظفر حسین مرحوم بھی دکھائی اور اس کے کچھ وظائف کی بھی رغبت دلائی میں نے اعراض کیا والد صاحب نے حواء کا اور بسم اللہ کا تعویذ سکھا دیا تھا اوسی کو زندگی بھر کسی مضطر کے لئے لکھا سہارنپور دوران قیام امامت مسجد میدان ہدف کچھ باگڑیئے اور آدی باسی چوراہے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے وہ آتے تھے اور کہتے تھے کہ تین ماہ کا گنڈہ بنا دو چیت بیساکھ اور جیٹھ کے لئے میں اونکی بات سنکر تعجب میں گیا کیا وقتی گنڈے تعویذ بھی ہوتے ہیں حالت غریبی تھی اور لینے والا غیر مسلم میں نے متولی رحمت علی کے کہنے پر سوا روپیہ لے لیا اور ۳ ماہ کا گنڈہ بنا کر دیدیا اسی طرح خود میرے گھر میں ساس بہو میں بے حد تلخی تھی میری ماں مسماۃ رحمت اور بھابی رفیقاً میں نہیں بنتی تھی اس سلسلہ میں بھی جب حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے تعویذات لئے مگر انکا کوئی اثر نہیں ہوا

ایک مرتبہ چند سٹیاروں کی صحبت ملی جن میں نظیر پوئی مالی ساکن محلّہ خواج بخش کیرانہ بھی تھا میں نے بھی غربت دور کرنے کو ایک مرتبہ سٹہ کیلئے ان کو دس روپئے دئے اور اس سلسلہ میں ایک وظیفہ بھی پڑھا جس میں ترک حیوانات کر کے پندرہ روز میں عامل بن گیا اس سے چند الفاظ اول آخیر درود شریف پڑھ کر ۱۱ مرتبہ ہوم لا سامت سرناہ الفاظ پڑھے اِس کے ذریعہ بھی میں نے ہاتھ کے انگوٹھے پر کالی روشنائی لگا کر حاضرات کرائی مگر ان سب سے حقیقی فائدہ نہ ہوا حقیقی فائدہ دعا بعد الصلواۃ میں ہی ہے کیونکہ میں نے چاہا کہ سٹہ کا نمبر معلوم کروں گا مگر جو میں کہتا تھا اور چاہتا تھا وہ ہی انگوٹھ میں منقش صورت میں دیکھنے والا لڑکا کہہ دیتا تھا اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہتا اور کوئی نمبر تحریر اپنی طرف سے انکھوٹھے میں روشنائی میں دیکھ کر نہ کہتا یہ ہی کمزوری تھی جسکے ذریعہ مجھے علم مغیّبات حاصل نہ ہوسکا اور والد صاحب نے بھی اسکو برا سمجھا میں نے بھی کرنا چھوڑ دیا اور اس کو شرک جانکر توبہ کی ہاں البتہ اسکے ذریعہ بڑی وقتی شہرت مالیوں (باغبانوں) میں اپنی برادری میں خوب ہوئی اور کافی تیر اندھیرے میں اپنے نشانہ پر لگے مگر یہ سب ایسا ہی تھا جیسے کوئی اندھا سو دفعہ لاٹھی کھونٹی پر مارے دو ایک بار لاٹھی نشانہ پر لگ ہی جاتی ہیں تبلیغی جماعت کے قریب آنے میں فضائل اعمال مصنفہ مولانا زکریا میں میں نے پڑھا کہ بے نمازی کے حق میں نیک لوگوں کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی تعویذ بھی ایک تحریری دعا ہے وہ کیسے مؤثر ہوگی اسلئے میں نے یہ سب کام ترک کر دیا مولانا حسین احمد مدنی کو ایک بار میں نے حفاظت حمل کے لئے لکھا انہوں نے لکھا کہ ۲۱ تار رنگین ریشم کے لے لو اور ۲۱ بار سورہ الطارق پڑھ کر ۲۱ گرہ لگاؤ اور ازار بند میں وہ گنڈہ کر کے دونوں سروں پر چیٹ بٹن لگا کر دوران حمل پیٹ پر بعد میں پیدائش پر بچہ کے گلے میں ڈال دو، میں نے اسکو مجرب کیا اور تار حاملہ کے قد کے برابر لیے جاتے ہیں۔

تعویذ لینا کم ہمت لوگوں کا کام ہے تعویذ مضطر اور سب طرف سے مایوس کے لئے ہے نہ کہ اس کو ہر کام کیلئے مشغلہ بنانا یا ذریعہ آمدنی بنانا مسلک اسلاف کے خلاف ہے۔ تعویذ حضرت عمر نے دیا جو کہ غیر مسلم تھا مسلم کے لئے دعا ہی سب کچھ ہے۔

حضور کو اگر غیب کا علم ہوتا تو بدر کے دن لڑائی سے پہلے کیوں روتے کافی دیر روتے رہے حضرت ابوبکر کو کہنا پڑا بہت رو چکے آپ لڑائی شروع کریں خدا مالک ہے تو اگر حضور کو غیب کا علم تھا کہ میں جیتوں گا تو کیا رونے کا آپ نے ڈھونگ بنایا یا حقیقت میں رونا تھا واقعی آپکو جیتنے ہارنے کا پتہ نہ تھا اسی طرح احد کی لڑائی آپ گڑھے میں گر گئے اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو پتہ ہوتا کہ میرے پیچھے گڑھا ہے ان سب باتوں سے خلاصہ یہ نکلا کہ آپ کو یا کسی نبی کو علم غیب وہ ہوتا تھا جو کہ خدا بتا دیتے وحی یا الہام کے ذریعہ باقی صفر حضرت یعقوب نے ساڑھے تین سو میل سے جب کرتا حضرت یوسفؑ کا چلا تو اپنے تین سو پوتوں سے کہا آج یوسفؑ کی بو آرہی ہے یوسفؑ آئے گا پوتے ہنسنے لگے بڈھے کا دماغ سٹھیا گیا ہے دو کوس پر جب حضرت یوسفؑ کنوئیں میں پڑا تھا تب کوئی خبر نہ تھی اور اب اتنی دور کی خبریں دے رہا ہے مگر تھوڑی دیر میں جب کُرتا آ گیا آنکھیں

روشن ہوگئیں سب پوتے تعجب میں گئے آپ نے کہا:

احوالِ ما برقِ جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہان است

(ترجمہ: ہمارا حال بھی کوندھنے والی بجلی کی طرح ہے۔ایک دم جل گئی ایک دم بُجھ گئی)

جب خدا نے بتایا الہام کیا تو بتادیا اب یہ ہوگا نہ بتایا تو خود بھی خائف تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی تو پھینک دی مگر خود بھی ڈر کے مارے بھاگے کیونکہ اپنے قبضہ میں کوئی بات نہ تھی قبضۂ رب میں تھی خدا نے کہا نہ ڈرو پکڑو پہلے کی طرح یہ لاٹھی بن جائے گی۔

کچھ حضرات نقشبندیہ کا خیال ہے کہ تعویذ ہندوستان میں ہندو کے لئے ہے اگر کسی آیت یا عزیمت سے اُن کو فائدہ ہوگیا تو وہ اسلام کے قریب آئیں گے اور کہیں گے یہ مذہب پکا ہے اور موثر ہے اگر فائدہ نہ ہوا تو وہ ہمارے مذہب سے عقیدت نہ رکھیں گے جیسا کہ وہ غیر مسلم ہیں اس کا کوئی نقصان نہیں برخلاف مسلمانوں کے ان کا تعویذ پر موقوف ہوجانا اسلام کے تعلیمات کے منافی ہے کیونکہ حضرت تھانوی نے لکھا ہے کہ ایک نے تعویذ مانگا میری کشتی بمبئی اسٹیڈیم میں ہے جیتنے کے لئے تعویذ دیدو مولانا نے لکھا اگر تمہارا مخالف بھی کسی سے تعویذ لے لے تو پہلے تو تعویذوں میں اسلامی کلموں میں جنگ ہوگی آپ میں کُشتی مقابلہ تو بعد میں ہوگا غرض مطالبہ حق کے خلاف ہے حق بات یہ ہے کہ تعویذِ مضطر کے لئے ہے جس کے سبھی مادی اور جسمانی اور ظاہری وسائل منقطع ہوگئے وہ روحانیت کا سہارا لے تو بجا ہے ورنہ مسخرہ پن ہے جہاں تک تسخیر مؤکلات کا سوال ہے یہ امر بڑا مشکل ہے لوگوں کو پاگل فاتر العقل بنتے دیکھا گیا ہے اور بعض ہلاک بھی ہوگئے ہمزاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی جس نے کبھی نیکی نہ کی ہو ہمیشہ فسق و فجور میں زندگی گزاری اُس کی مٹی کی حفاظت بعد الممات ہمزاد کرتا ہے اور جس آدمی نے ہمیشہ ہی تقویٰ اختیار کیا ہو صغیرہ گناہ تک سے بچا رہا ایسے آدمیوں کی مٹی کی حفاظت بھی ہمزاد کرتا ہے اور جو آدمی نیکی بدی دونوں کا مرتکب ہوا اُس کی مٹی کی حفاظت کا دستور ہمزاد کا نہیں ہے۔

کاندھلہ میں قیام مولانا افتخار الحسن صاحب کے ایما پر محلّہ خیل مدرسہ قائم کیا گیا تھا اسی دوران میں نے سمجھا کہ تعویذ لینے والے کے لئے۔عقیدہ کی درستگی ضروری ہے یعنی فاعل مختار باری تعالیٰ ہے یہ صرف تحریری دعا ہے۔

آیت شریفہ ہے قل سیرونی الارض کیف کان عاقبۃ المکذ ین بمصداق اس آیت کے بندہ نے بھی تبلیغی سفر بہت کئے اور ایام عنفوانِ شباب ہی سے وعظ گوئی کی مشق تھی ان سفروں میں جن مقامات کو قبل از شادی دیکھا اور پھرا وہ یہ ہے:

حوالی کیرانہ۔کھرگان، پتھرگڑھ، جلاپور، کاندھلہ، شاملی

میرٹھ وحوالی میرٹھ میں، عبداللہ پور، سید پور، پنچیڑہ حاجی پور، گھوسی پور، سردھنہ، باغپت، بڑوت،

بسود، ڈولہ، غوث پور، امین نگر سرائے، دھولڑی، جانی کلچھینہ، ضلع بلند شہر میں خورجہ اکبر پور، دریاپور، کلولی ملک پور سرائے چھبیلہ سیانہ جہانگیر آباد، گڑھ مکٹیسر مہرکہ، گجرولہ حسن پور، بچھراؤں، چاندپور، نجیب آباد، جلال آباد، شیر پور، پچھراؤں دھام پور، شیرکوٹ، وغیرہ اور شہر مراد آباد بھی دیکھا ضلع سہارنپور میں گنگوہ خانپور پھندپوری داہکی روڑ کی کلیر رامپور نانوتہ، پانڈولی، نلہیڑہ، دیوبند وغیرہ اور پٹیالہ بھی جماعت میں گیا۔

کیرانہ۔دہلی، پانی پت، میرٹھ، سہارنپور اور بگھرہ میرے تعلیمی مقامات ہیں۔جہاں دینی اور دنیوی تعلیمات سے فیضیاب ہوا۔چند ماہ ناریا واڑ جماپور علاقہ اندر شہر احمد آباد بھی مدرس رہا۔

مقامات ومخصوص اشخاص یادگاری:

باغپت۔منشی متین احمد جماعتِ اسلامی سے منسلک

غوث پور۔منشی مبین احمد۔تلون مزاجی انکا شیوہ

دھولڑی کے سبھی افراد قریشی بھائی خاص کر شرف الدین صاحب

سرائے چھبیلہ کے سبھی چوڑی ساز مہربان مددگار رہے

اکبر پور میں مولانا حکمت اللہ صاحب خصوصی معاون و مددگار رہے قصبہ سیانہ میں قاضی شہر امام **جامع مسجد و مسجد چوہدریان و مسجد گاڑان** کے نمازی بھی بہت بلاتے تھے۔**ملک پور** ضلع بلند شہر والے بھی سال میں دوبار دعوت دیتے تھے اور مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ سے وہاں جاتا تھا۔

شادی ہونے کے بعد فراغت دورۂ حدیث کا فکر تھا فراغت کے بعد ذریعہ معاش کا فکر ہوا جس کا تتمہ ۷۵ء میں بی ٹی سی کرنے پر ہوا مقدمہ بازی سے فراغت ۹۷ء میں ہوئی اور جماعتِ تبلیغ مولانا الیاس صاحبؒ کو سمجھنے کی توفیق ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔تبلیغی جماعت کی چھ باتوں کو یہ جانا کہ یہ باتیں کرنے والا دوسری شریعت کی باتوں پر بھی آجائے گا۔

ایام عنفوانِ شباب میں مختلف مدارس میں قرآنی تعلیم دی کیونکہ بیشتر ضرورت قرآنی مدارس میں ہوتی تھی مدرسہ ترتیل القرآن محلّہ ٹولی سہارنپور ۲۰ روپے ماہانہ پر اور مدرسہ یاد محمد شاہ میں عبدالرحمٰن کڑھائی ساز جگادھری والے کے مدرسہ کے مہتمم کے یہاں ۲۰ روپے ماہوار پر درس قرآن دیا وہاں میں نے اپنا پتہ ملنے والوں کو اس طرح لکھا ابنِ کمال شاہ، مدرس مدرسہ یاد محمد شاہ، متصل مزار گوشہ شاہ، محلّہ یحییٰ شاہ، شاہ ہارون پور۔

کرایہ کا مکان دس روپے ماہانہ پر عیدگاہ میرٹھ کے پاس دوست محمد خاں کا لیا اس کی لڑکی اچھن نام تھی دوسری پپن جو جوان تھی اور گھروالی سے سبق قرآن لیتی۔جب میں مسجد صابون گران قینچی گراں میں مدرس تھا ایک بانجھ عورت جواں سال شوہر کے ساتھ واسطے تعویذ آئی میں نے ہنود جان کر کچھ لکھ دیا وہ سال بھر بعد

نومولود اور شوہر کو لے کر پھر آئی اور بچہ کو میری گود میں ڈال دیا میں بہت شرمندہ ہوا:

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
اے نسیمِ صبح تیری مہربانی ہے

میرے بس میں کچھ نہ تھا میرے ذریعہ فضلِ رب بجق مشرک لکھا تھا۔ اور دوبارہ کچھ لکھ کر اُن سے جان چھڑائی۔ کیونکہ اپنے قبضہ میں کچھ نہیں محض منشاء الٰہی ایسی ہی تھی۔

اِس کے علاوہ میرٹھ میں مدرسہ جمال القرآن، احمد نگر جلی کوٹھی میں ۵۰ روپے ماہوار پر اور مدرسہ مسجد صابو نگران بازار پیڑا مل میرٹھ میں درس قرآن دیا اور مکان دوست محمد خاں، عیدگاہ میرٹھ کرایہ کا تھا۔

اساتذہ اکرام:

قاعدہ بغدادی کے بعد استاد حافظ خوجہ مسجد پٹھانوں والی بزمانہ جنگ عظیم ۱۹۴۲ء محلّہ خواج بخش بعمر ۶ سال قرآن شریف اول حفظ، قرآن شریف در مسجد کوٹھے والی بہادر گڑھ روڈ دہلی بعد اِسکے جب والد صاحب نے دیکھا کہ قرآن شریف مسجد کوٹھے والی میں رکھا ہے اور میں پل بنگش پر بیٹھ کر ریلوں کی آمد و رفت دیکھتا تھا۔ عصر کے وقت مسجد شیش محل بھائی عبدالرحیم کے پاس پہنچ جاتا یہ حالت دیکھ کر والد صاحب نے ناظرہ قرآن شریف کرا دیا اور مسجد شاہ گل والی محلّہ قصاب پورہ میں مولوی انوار احمد صاحب کے پاس پورا قرآن شریف کیا۔

اُس کے بعد میں درجہ فارسی مدرسہ قدیم مظاہر علوم سہارنپور میں مولوی ارشد اللہ پسر مولانا اسعد اللہ صاحب کے ساتھ پڑھتا رہا دوسرے ساتھی محمد متین پسر حکیم محمد یامین تھے کچھ دنوں کے بعد اگلے سال مجھے مدرسہ عربی مفتاح العلوم جلال آباد میں داخل کیا گیا اور ساتھی ارشد اللہ بھی وہیں آ گئے اور تعلیم حاصل کرنے لگے مولوی محمد اسحاق ساکن لوہاری، مولوی حشمت علی مراد آبادی، مولوی سلیم اللہ خاں صاحب، مولانا عابد حسین صاحب، آئیڈیل استاد بنے گلستاں، پندنامہ، میزان الصرف پڑھیں اسکے بعد ایک واقعہ رونما ہوا اور مدرسہ چھوڑ کر میں مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں داخل ہوا۔ اور کتابیں نحو میں فصول اکبری ہدایت النحو قدوری وغیرہ پڑھیں۔ بعد میں کافیہ کا حل اور شرح جامی کا حل شروح و حواشی سے خود کیا اور مولوی راشد کو تحقیقی طور پر کاندھلہ پڑھائیں۔ بعد میں مدرسہ عالیہ گھنٹہ گھر میرٹھ میں مولانا عبدالروف صاحب سے جلالین مشکوٰۃ اور ہدایہ پڑھیں اور مدرسہ اسلامی اندرکوٹ ہدایۃ النحو کو دوبارہ پڑھی اور مولوی چراغ عالم سنبھلی نے اور مولانا مسعود احمد صاحب بے ریش و بروت سے منشی امتحان سرکار یوپی کی تیاری کے لئے قصائد حکیم قاآنی اور کلام نظیری پڑھا نظیری کا یہ شعر اب تک یاد ہے:

نظیری گر طمع داری کہ مقبولِ معاں باشی
فلا تحسد ولا تبخل ولا تحرص علی الدنیا

(ترجمہ: نظیری اگر طمع رکھتا ہے تو، کہ اپنے چاہنے والے کا مقبول ہو جاوے، تو حسد نہ کر، بُخل نہ

کر اور دُنیا پر حرص نہ کر)

حکیم قاآنی نے شوخ قصیدہ میں لکھا:

از دو لبت اے ہم نفس۔۔ یک موسہ دارم ملتمس
بگذارتا خود را مگس۔۔ در شکر ستاں پرورد

(ترجمہ:

نیز قاآنی نے کہا:

کشو دی زلف قیر آگین جہاں را قیرواں کردی
نمودی چہرمہر آئیں زمین را آسمان کردی

امتحانات کی کماحقہ تیاری ہم عمر ۱۴ سالہ لڑکوں میں رہ کر میں نے منصبیہ شوق ہوسٹل کربلائے معلّیٰ ریلوے روڈ میرٹھ میں کی جہاں مولوی محمد حسن، مولوی تہذیب حسن، مولوی محمد ریحان صاحب کارفرما تھے، بعد کی تیاری مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی جس کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ ہم عصر مدرسین میں ماسٹر ڈال چند اور ماسٹر بھیم سنگھ سے بھی ریاضی کے رموز سیکھے خود میں نے اور بدر الاسلام نے رہبری لی اور گیس پیپر کے تبادلہ خیال کے لئے مختلف کیرانہ کے طلباء سے امتحان کی کامیابی کی راہیں تلاش کیں آخر کار ہائی اسکول کیا جس میں ۱۹۶۸ء میں پبلک انٹر کالج سے بجز اردو، فارسی کے فیل ہوا اس سال میں تلاش ایگزامنر میں لکھنؤ، پُھر ایاں الہ آباد بھی گیا مگر بے سود رہا۔ اور ۶۹ء میں ہائی اسکول امتحان پاس کیا، ہائی اسکول تیاری کے لئے میں نے ۲۰ روپے ماہانہ پر ٹیوشن ماسٹر جگدیش صاحب کا جو کہ پبلک انٹر کالج کیرانہ ریاضی کے ٹیچر تھے کیا تھا۔

بگھرہ ٹریننگ اسکول BTC

وہاں میں نے نمایاں مقام پیدا کیا علی الصباح پی۔ٹی ایک گھنٹہ ہوتی تھی وہ گراں گذرتی تھی میں داڑھی والا تھا لب سڑک بگھرہ پی ٹی میں جواں لڑکوں کے ساتھ ایکسرسائز ا یک سے سولہ کرتا تھا پر کیف منظر ہوتا میس (مطبخ) میں کھانا کھاتا ایک دو ماہ چندہ ماہانہ میں نے دیا پھر میرا کھانا چار ماہ کے لئے فری کر دیا گیا کچھ نہ مانگا ایک دن میں کیرانہ سے واپس گیا اور لبِ سڑک بگھرہ اسکول میں پاٹھ سنکیت آلو چنا پتنگ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ گھنٹہ شروع کا سب انتظار کرنے بیٹھتے تھے کہ ایک لڑکے نے کہا کے شمشُل آج کچھ خاموش کیوں ہے میں نے کہا کہ میری لڑکی کا دیہانت ہو گیا ہے اس نے نوٹ کیا اور متحرک لڑکوں سے ساز کر کے جب پر بیرَ (دُعا) ہو چکی جس میں گان گایا گیا

جگدیش گیان داتا سکھ مول سوکھ ہاری
کردو بھلیشٹھ آتما گھبرائے ہیں دکھوں سے

اُس کے بعد راشٹر یہ گان ہوا اور اعلان کیا گیا کہ آج شکشن کار یہ بند رہے گا کیونکہ شری محمد شمس الاسلام چھاتر ادھیا پک کی لڑکی کا دیہانت ہوگیا ہے میں حیران رہ گیا اور کلاس میں آبیٹھا کلاس ٹیچر شری بھاردواج آئے انہوں نے کہا کیا آپ نے چھٹی کے لئے کہا؟ میں نے کہا نہیں بس خیریت بتائی دیہانت لڑکی کا بتایا پھر وارشنیے پرنسپل آیا اس نے کہا آپ نے کہا چھٹی کے لئے؟ میں نے کہا میں خود تو کلاس میں حاضر ہوں لڑکوں نے بس مجھ سے یہ کہا کہ کیوں آج چپ ہو میں نے اپنی خاموشی کی وجہ بتلائی باقی کچھ نہیں پرنسپل بولے بڑے بدشوق لڑکے ہیں بہانہ چاہئے کسی چھٹی کے لئے مون دھارن تو کیا نہیں چھٹی البتہ کردی خیر اسی طرح لیل ونہار گذرتے رہے سردی کے ایام میں ایک زیر تعلیم ٹریننگ موتی رام شرابی نے ہوسٹل میں طوفان مچادیا مجھ سے تو وہ اور اُس کے ساتھی الگ رہتے مگر کسی سے بھی کھانا پکواتے اور کھاتے اور کسی کی کھاٹ پر گر جاتے بہت لوگوں نے ہوسٹل چھوڑا ہم ۵ مسلم لڑکوں نے بھی کرایہ مکان لیا پھر براہمنوں کی حویلی بگھرہ کے قریب مراد پورہ گاؤں میں رہنے لگے پھر احمد میاں کے پاس رمضان شریف گذارا۔ احمد میاں کیرانہ کے مسعود آڑھتی ساکن محلّہ سہ دریان کے خسر تھے انہوں نے کھانے کا خیال رکھا میس بند تھا کبھی ۵ آنے /دیکر بگھرہ تانگہ اڈہ ایک جھونپڑی نما ہوٹل میں کھا آتے، نماز کا اہتمام نہ مسلم کو تھا اور نہ کیرتن ہندو سنتے تھے بلکہ تبرابازی کرتے تھے ساتھی بی ٹی سی میں محمد انور تیلی پگھانہ محمد اسلام جانسٹھ تلورہ اور جے کرن ساکن کرالسی بڑھانہ اور شہاب الدین لیلون کھیڑی شاملی یادگار رہے۔ ایک روز کتائی بنائی ٹیچر نے کہا کہ مولانا ایک شعر عرض ہے میں نے کہا کہیئے۔ انہوں نے کہا۔

ایک ہی شجر کی دو ٹہنی قسمت جدا جدا ہے!
اک جل گئی آگ میں' اک سے بنا عصا ہے!!

میں نے کہا۔

ایک ہی صدف کے دو موتی قسمت جدا جدا ہے!
ایک پس گیا کھرل میں' ایک تاج میں جڑا ہے!!

جب ساموداایک سنگھٹن کیمپ لگا رمضان تھا میں نے روزہ کا بہانہ نہیں کیا اور پیمائش میں دی گئی سڑک کی مٹّی پھاولا سے ہموار کردی اور روزہ بھی رکھا یعنی سڑک کو وقت کے اندر ہی باندھ دیا تھا۔ اس پر مجھے سیکنڈ ڈویزن دی گئی سڑک بابری سے ہرن واڑہ تک کا ٹکڑہ تھا کیمپ ہرن واڑہ رام رتن پنڈت کے یہاں لگا ہوا تھا۔

سالانہ تربیتی امتحان کے موقعہ پر مختلف امتحانات ہوئے جس میں غیر مسلموں نے کافی رہبری کی شکشن ابھیاس میں سیکنڈ لانے کو مجھ سے ۲۰ روپے چندہ مانگا گیا میں نے انکار کردیا نتیجہ یہ کہ میری تھرڈ ہی رکھی

گئی مجھے پرواہ نہ تھی میری جگہ کیرانہ میں جملہ مضامین ہائی اسکول اردو میں پڑھانے والے ٹیچر کی خالی تھی سپرنٹنڈنت تعلیمات کو میرا انتظار تھا میں چپراسی عہدہ سے بلاتنخواہ ۹ ماہ (اگست ۷۰ء سے اپریل ۷۱ تک) چھٹی پر تھا۔

امراضِ متعلقہ بحیات خورد

مجھے بچپن میں سخت خارش تر نکلی جس سے ہاتھ پیر فوطے وغیرہ پر زیادہ حملہ ہوا میری ماں مرہم لگاتی تھی دعا دیتی تھی پوری زندگی ہر حال میں اُس نے دعا دی جب میرا گھر سرور خواج بخش تھا وہ آبائی گھر چھڑیان لاٹھی ٹیکتی آتی تھی اور کھانا واپس شام کو اپنے گھر جا کر کھاتی اور کہتی ابھی میرے بچہ کا ایسا پناہ نہیں کہ میں کھانا پینا ساتھ کرلوں گھر والی اصرار کرتی مگر وہ نہ مانتی مسکین طبیعت جدید تعلیمات سے دور تھی قدیمی تعلیم (مذہبی تعلیم) تو وہ مذاکرہ بین الاولاد جو والد صاحب سے ہوتا تھا اور مولانا عطاء اللہ شاہ امرتسری بخاری کی تقریر پر تبصرہ ہوتا تھا غور سے سنتی ۱۹۶۶ء میں فوت وہ بھی ہوگئی مولانا حسین احمد مدنی کے بھی خوب تذکرے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ والدین کی مغفرت کرے اُس کے بعد مجھے بعمر ۱۶ سال تیز بخار بھی آیا اور اُس کے بعد کبرسنی میں اب آکر تبخیر۔ تیزاب معدہ میں اُس کا اثر دماغ پر اور کمزور امعاء (آنت) اور اب دانتوں کی کمزوری اور خارش اذنین (کان) کبھی کبھی جوشش خون کا مریض اب بھی مستقل ہوں واللہ الشافی وعلیہ التکلان

شاگردان گرامی قدر

(۱) عربی زبان میں
۱۹۵۳ـ۱۹۵۴ء حکیم صلاح الدین مالک دواخانہ اکسیر ہند میرٹھ (متوفی ۱۹۷۵ء) جنہوں نے میرٹھ میں صرف خود ہی تنہا عربی پڑھنے کے لئے میری تنخواہ پچاس روپے ماہانہ ۵۶ء سے ۵۸ء تک مقرر کی اور طب میں بھی نسخہ نویسی کرتا رہا۔

(۲) عربی زبان میں مولانا راشد الحسن صاحب، خلف اکبر مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ

(۳) فارسی عربی زبان میں قاری حافظ محمد یونس صاحب پسر جناب منگتا صاحب ساکن حلقہ آل کلاں صحبت یافتہ پدر بزرگوار محلّہ آل کلان کیرانہ و ڈاکٹر رئیس احمد صاحب محلّہ پیرزادگاں کیرانہ و جناب محمد انور صاحب مبلغ شمسی کیرانہ میرے لئے دعا گو و یادگار ہیں۔

اس کے علاوہ اسکولی تعلیم دینے میں کچھ اساتذہ اردو بھی جزوی طور پر فیضیاب ہوئے جن میں ماسٹر محمد یامین انصاری، ماسٹر محبوب علی انصاری وغیرہ بھی ہیں۔

مدرسہ اشاعت الاسلام پانی پت روڈ کیرانہ میں بھی مدرس فارسی رہا اور مولانا محمد زکریا رائیں ساکن کھیڑہ راعیان

اُن میں قابلِ ذکر ہیں جواب مدرسہ ٹانڈہ میں بھی مدرس رہے اب مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس ہیں۔

بچپن کے ساتھی

مولانا ارشد اللہ ابن مولانا اسعد اللہ صاحب بھائی رشید احمد ابن حاجی سلامت اللہ صاحب ، پڑاوہ گیر محلّہ چھڑیان کیرانہ۔

اولادیں

(۱) بدرالاسلام (۲) نجم الاسلام (۳) محمد عمر (۴) اختر جہاں

۱۔بدرالاسلام نے ایم۔اے کیا اور شریوگیان ٹیچر سنٹرل اسکول میں متعین ہوئے۔

۲۔نجم الاسلام نے بی اے بی ایڈ کیا اور انسٹرکٹر اردو شارٹ ہینڈ اردو اکادمی دلی میں متعین ہوئے۔

۳۔محمد عمر انٹرمیڈیٹ اور وہ ایوان غالب دلی میں وَیب ماسٹر ہوگئے جو جرمن میگزین 'جدید ادب' جرمن کا اعزازی ایڈیٹر رہا ہے۔اس کے ۴ شمارے آچکے ہیں اور عمر نے کچھ وقت قبل ہی کیرانہ پر ویب سائٹ www.kairana.net بنائی تھی،''کیرانہ کل اور آج'' موضوع پر اس کی اردو، ہندی میں کتاب بھی آچکی ہے)

۴۔اختر جہاں جس کی نسبت ناصر حسن پسر حاجی صابر حسن سے ہوئی ناصر حسن صدر مدرس حقانی اسکول چھڑیان تھے اور اب وہ زراعت پر آگئے۔اختر جہاں نے منشی امتحان الہ باد برابر نویں کلاس دیا مگر امور خانہ داری کو ترجیح دی مزید ترقی کے لئے کوئی اگلا امتحان نہ دیا۔اب اختر جہاں کا لڑکا سلیم الدین جو عربی تعلیم کے لئے صرف ونحو پر عبور کر رہا ہے عمدہ حافظ قرآن ہے۔اور بی اے اول درجہ میں پاس ہے ادیب کامل بھی ہے۔

اسفارِ سیاحت وتبلیغ:

اجمیر گیا خواجہ غریب نواز کی فاتحہ پڑھ کر غوث صاحب کے مزار پر اور تارہ گڑھ پر گئے جو قریب ایک کلومیٹر بلندی پہاڑ تھا تارہ گڑھ لگا کہ اوس پر بادل ہے ایک کلومیٹر چڑھا جی نے چاہا آج بادل کو ہاتھ لگاویں گے کیا روڈ ہے دھوان ہے بادل کیا ہے وہاں چڑھ کر دیکھا اور بادل کو مٹھی میں لیا بس ہاتھ بھیگ گیا اس کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔تبلیغی سفر میں پٹیالہ گیا وہاں دیکھا ایک مزار پر بجلی پنکھا چل رہا ہے مزار پر چادر ہے اور

کمرۂ عروسی ہے میں نے پنکھا بند کیا ایک پنجابن عورت نے پھر کھول دیا جو اس مزار کی معتقد ہوگی یہ واقعہ بنک کالونی پٹیالہ کا ہے۔اس پر مجھے شعر مولانا رومی یاد آیا:

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل وندریں قہرِ خدائے عزوجل

ایک سکھ بچہ لیکر آیا اور اسنے مجھے سجدہ کیا اور غلطی سے امیر جماعت سمجھ کر دم کروانا چاہا میں نے سجدہ کرنے کو منع کیا اور دم غیر مسلم جان کر کرنا پڑا وہ روپۓ دے گیا جو میں نے ساتھیوں کو واسطے خیرات کیرانہ میں کرنے کو دیدیئے۔کچھ سکھوں کو شاملِ نماز باجماعت بھی دیکھا عجب عقیدے ہیں۔اس پر بھی یہ قول یاد آیا''پیراں نمی پرند،مریداں می پرانند'' مطلب یہ ہے کے پیر تو اُڑتا نہیں،مرید اُڑاتے ہیں۔ان کی کہانیاں انہونی سناسنا کر۔

عقیدہ (بنیادی نظریات)

کچھ دنوں منصبیہ شوق ہوسٹل میرٹھ میں رہ کر اور گھنٹہ گھر امام باڑہ کے کتب خانہ سے مذہب شیعہ کے حق ہونے پر دلائل شیعوں کے سمجھے پھر اُن کا ردمختلف کتابوں میں مطالعہ سے گذرا اسی طرح حضرات اہل حدیث کے مدرسہ الواقعہ فی محلّہ خندق سپٹ بازار (سبھاش بازار) میرٹھ سے بھی ماسٹر عبدالشکور صاحب سے ہمکلامی اور مباحث رہی مگر دل بستگی اور عقیدہ میں تزلزل نہ آیا اسی طرح دورانِ ٹیچری سرکاری اسکول میں ماسٹر دھرمیندر صاحب کے پاس بھی رہا انہوں نے بھی تصویر پوجا کی مخالفت پر لکچر سنایا پسند آیا مگر آریہ سماج کا مسلک تعدد آلہ (مختلف خدا و دیوتا) پسند نہ آیا اور دل برداشتہ رہا۔آخیر میں بریلوی اور رضاخانیوں میں تو زندگی کا بیشتر حصہ گذرا اور علماء دیوبند پر اُن کی تبرابازی مختلف مدارس میں سنی جس میں منظوم تبرابازی بشانِ مولانا اشرف علی تھانوی مدرسہ شاہِ عالم احمد آباد میں اور کتابی حوالہ سے تبرابازی اندر مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ سنی جو کہہ رہے تھے دیکھئے کتاب تقویۃ الایمان میں مولانا اسمٰعیل شہید مشہور واعظ دہلوی لکھ رہے ہیں کہ اگر نماز میں حضرت محمدؐ کا خیال آجائے تو نماز مکروہ اور سور کتے کا خیال آجائے تو نماز صحیح ہے،مولانا اسمٰعیل نے جو سبب اسکا بیان کیا اس کو وہ نہیں سنا رہے تھے مولانا نے لکھا ہے کہ شرک سے بچنا یہ ہے کہ جب کسی کی تعریف وتوصیف و تمہید میں لگ گئے تو دوسرے کے تصورِ احترام سے دل کو خالی کرلو ایک ہی دل میں ایک ہی وقت میں دو شخصیتوں کے تصور احترامی خلافِ توحید ہے بس ایک کا ہوجانا توحید اسے کہتے ہیں جب فاعل مختار کا تصور احترام ہے۔اس میں شریک آں حضور کے تصورِ احترام کو بھی نہ لاؤ اس میں التباس شرک ہے جس سے احتراز اولیٰ ہے اس باریکی کو بریلوی حضرات نہ سمجھ پائے ورنہ مولانا اسمٰعیل شہید مانتے تھے کہ بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر حضور کا مرتبہ سب مخلوقات سے اونچا ہے یہی باریکی شرک فی التوحید کی وہ ہے جس پر علماءعرب بمسلک محمد ابن عبدالوہاب بخدی زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ سے مانگو تو بلا وسیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مانگو

بلاوسیلہ دعاء خضوع وخشوع کے ساتھ لائقِ قبولیت ہے برخلاف ہندیوں کے کہ وہ حضور کے وسیلہ سے دعا مانگنے کو ہی لائقِ قبولیت جانتے ہیں وہابی مسلک والوں کا کہنا ہے کہ خدا کی درگاہ میں کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہے دنیا کا دستور یہ ہے کہ کوئی حاکم کے یہاں درخواست دے تو اس پر سفارش کراتا ہے وہاں اس کا دستور نہیں وہ قادر وقیوم فعّال لما یرید ہے حضور کی شفاعتِ یوم القیامتہ ہوگی دنیا میں ترغیب ہے (ادعوانی استجب لکم و۔ترجمہ: مجھ سے ہی مانگو، میں ہی تمہاری دعا کو قبول کروں گا) بس دنیا کے دستور کو خدائی دستور پر محل نہ کرنا چاہیے۔

صاف ارشاد ہے (وان یمسك الله بضر فلا كاشف له الّا هو ۔ترجمہ: اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے گی تو کوئی دور نہیں کرسکتا سوائے اللہ کے) سے بھی اشارہ حصر ہے علماء ہند دلائل اثبات دعا بشفاعت آں حضور رکھتے ہیں مدرسہ کلالان، کیرانہ میں میرا رٹائرمنٹ 2003-11-4 کو ہوا جو کہ ۶۰ سال پورے ہونے پر میں نے خود لیا کیوں کہ سرکاری اسکولوں میں شوقین محنتی اور بیدار لڑکوں کا داخلہ بہت کم ہوگیا تھا ہوشیار اور خرچیلے لڑکے پرائیوٹ اسکولوں میں جانے لگے، وہاں ان کی نگہ داشت سواتھی کیوں کہ سرکاری اسکولوں میں اسکول سے متعلق ٹوٹ پھوٹ صفائی اور رکھ رکھاؤ کے کام بھی ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ جو رٹائر ہوا اس کی جگہ دوسرا ماسٹر رکھنا بند ہوگیا اور مدرسی کے علاوہ دوسرے بیرونی کام بھی سوار ہوگئے مردم شماری بچہ شماری پرتشٹھانوں کا شمار اور حیوانات کا شمار، پولیو اور مختلف مواقع پر ریلیاں تعلیمی ترقّی میں حارج بنے اور نتیجہ یہ کہ جس اسکول کلالان میں 1976ء میں چار ماسٹر ایک چپراسی تھا اور رام پرشاد اور شیام سندر شرما اور موتی رام وغیرہ رٹائر ہوگئے ماسٹر نصیب الدین صاحب جو میرے آئیڈیل ساتھی رہے اور وہ صدر جمعیۃ العباس کیرانہ بھی ہیں، دوسرے اسکول میں چلے گئے اس طرح میں اکیلا اسکول کلالان میں انچارج رہ گیا۔ جس کے لئے میں نے واسطے طلب دیگر مدرس مختلف عرضیاں دفتر روانہ کیں نتیجہ صفر رہا۔ میں نے دیکھا کہ تحصیل دِوس منایا جانے لگا۔ جس میں کلکٹر سبھی کی دقتیں سننے لگا اور سبھی حکام کی حاضری کو ضروری قرار دیا میں نے بھی عرضی دی اور محلّہ والوں سے دوسرے ماسٹر کی مانگ لکھوائی حکام نے غور وفکر کرکے سپرٹینڈینٹ تعلیمات کیرانہ سے رپورٹ لے کر تبادلے کا خاکہ بنانا چاہا سب اسکولوں میں دو دو ماسٹر تھے۔ ایک ماسٹر والا اسکول میرا ہی تھا۔ لٰہذا میں نے ہی طرح دی کہ دفتر میں تین خدمتگار ہیں۔ ایک ان میں انٹر پاس ہے جس کا نام شری وجیندر سینی تھا ان کو بلانے کی مانگ کی وہ نئے ماحول میں آنے سے انکاری ہوئے مگر میری سماجکتا کو دیکھ کر آگئے۔ اور اسکول میں دلچسپی سے کام کیا، اور دوسرے آنے والے ٹیچروں سے بہتر رہے اب وہ بی اے کر رہے ہیں اور ماسٹر محمد اسحٰق کے ساتھ اسکول ترقی پر گامزن ہیں خیال ہے کہ شری وجیندر سینی ٹیچر میری عدم موجودگی کے احساس کو ختم کرائیں گے۔ وہ وِچار دھارا میں ہمہ دوست شخصیت ہیں۔

امتحانات

میں نے مندرجہ ذیل امتحانات دئے۔

۱۔مولوی فارغ التحصیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ۱۹۵۴

۲۔منشی امتحان یوپی تعلیمی بورڈ الٰہ آباد ۱۹۶۱

۳۔امتحان ہائی اسکول، یو۔پی بورڈ ۱۹۶۹

۴۔امتحان کامل یوپی تعلیمی بورڈ الٰہ آباد ۱۹۸۲

۵۔امتحان بی اے میرٹھ یونیورسٹی، ۱۹۸۴

۶۔امتحان ایم۔اے میرٹھ یونیورسٹی، ۱۹۸۶

۷۔ادیب جامعہ اردو علی گڑھ ۱۹۶۴

۸۔رجسٹریشن یونانی طبی بورڈ لکھنؤ، ۱۹۶۴

۹۔ٹیچر ٹریننگ بی۔ٹی۔سی محکمہ جاتی امتحانات یو۔پی۔(عملی) ۱۹۷۱۔گورنمنٹ ٹریننگ کالج بگھرا،

۱۰۔ٹیچر ٹریننگ بی۔ٹی۔سی۔محکمہ جاتی امتحانات یو۔پی۔(تحریری) ۱۹۷۵۔ڈائٹ مظفرنگر،

سیاسی اعتبار سے پارٹی بازی سے دور رہا محض کنڈیڈیٹ کی خدمات اور ملکی مفاد پر ترجیح کو اپنایا سماجی خدمات میں مختلف مراحل سے گذرا اور اسکول ملی ماڈل عیدگاہ قائم ہوا جس میں جدید عربی تعلیم کو اور کمپیوٹر تعلیم کو داخل کیا۔ اس کے بعد ملی ماڈل اسکول کی برابر مکان نجم الاسلام میں فری عربی تعلیم کا مدرسہ کمال شاہی جاری کیا جس میں زکوٰۃ، خیرات، لینے کو ممنوع قرار دیا۔

اولاد اور ان کی لیاقت:

۱۔بدر الاسلام

اسٹیٹ ٹریننگ کمشنر اسکاؤٹ (دلی راجیہ بھارت اسکاوٹ اینڈ گائڈ) اینڈ یوگا، تعلیم ایم۔اے۔

اپنی اہلیت کے مظاہرے کے لئے مختلف ممالک میں دورے کئے۔

بدر الاسلام کے لڑکے ضیاء الاسلام کو صدر جمہوریۂ ہند ایوارڈ ملا، اور وہ اب ۲۰۰۴ء میں انٹرمیڈیٹ میں ہے اور ملی ماڈل اسکول میں معلم بھی ہے۔

۲۔نجم الاسلام ایم۔اے۔بی۔ایڈ۔ادیب کامل

اردو اکیڈمی دہلی میں انسٹرکٹر اردو شارٹ ہینڈ و کمپیوٹر تعلیم، شری نگر کشمیر میں بھی اردو ٹائپ و شارٹ ہینڈ سینٹر شیخ عبداللہ کے بلاوے پر اقبال ہال میں کھولا، اور نائب وزیر اعظم کے پی۔اے بنے (نائب وزیر اعظم دیوی لال تھے، ان کو اردو جاننے کی وجہ سے انگلش رائٹر کی ضرورت تھی جو ان کے اردو مراسلوں کو انگریزی میں بدل دے اس کے لئے نجم الاسلام ملازمین اردو اکیڈمی سے منتخب ہوئے اور بھیجے گئے، انہوں نے ایک مظلوم کی داد رسی میں ایس پی سمستی پور کو کلکٹر سے معطل کرایا جو آج تک بحال نہیں کیونکہ لالو گورنمنٹ جاری ہے۔ انہوں نے مدرسہ رحیمیہ دہلی سے مولوی امتحان بھی پاس کیا۔

۳۔ محمد عمر کیرانوی:

انٹرمیڈیٹ و ادیب کامل

☆ ویب ڈیزائنر، غالب انسٹی ٹیوٹ (ایوانِ غالب)، نئی دہلی

☆ سابق ایڈیٹر (اعزازی) ادبی جریدہ ''جدید ادب'' جرمن۔

www.jadeedadab.com

سفرِ پاکستان

پاکستان جس کو مسلمانوں نے لڑ جھگڑ کر حاصل کیا اور دو قومی تھیوری کو تسلیم کراتے ہوئے جداگانا اسٹیٹ بنام پاکستان حاصل کی، پاکستانی معاشی اور سماجی کیفیات کیا ہیں مذہبی ترقیات کیا کارفرما ہوئیں، اِس کا تجزیہ کرنے کے لئے پاکستان کی حضوری کو بھی ضروری جانا، کیونکہ بچپن میں مختلف ٹولیوں نے مل کر گایا تھا ''لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان'' ''سینے پہ گولی کھائیں گے، پاکستان بنائیں گے''۔ کیرانہ سے براہ پانی پت دہلی پہنچا۔ وہاں سے بذریعہ اسکوٹر ہوائی اڈہ پہنچا۔ زمین دوز ریلوے پروگرام ہوائی اڈے تک جاری دیکھا گیا۔ ہوائی سفر اگرچہ حج کے دوران ۱۹۹۹ء میں کر چکا تھا پھر بھی خائف تھا کہ کوئی بھول چوک نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سب مراحل آسانی سے گزار دیئے۔ کیونکہ لاہوری مسافرین جس ٹیبل پر جاتے میں بھی نگاہ رکھتا کہ اگلا مرحلہ کہاں ہے۔ جو عدد ساتھ ہوا اور ہوائی جہاز میں لے کے بیٹھنا ہوا اور چیین پر نہ رکھنا ہو اس پر ہوائی اڈے سے پرچی ملتی ہے، وہ لٹکانی ضروری ہے، میرے پاس سامان مختصر تھا۔ ایک بغل میں اور ایک لٹکائے ہوئے لے جا رہا تھا۔ دونوں پر پرچی ضروری تھی۔ چنانچہ پرچی میں نے باندھ دی۔ مگر ایک سامان کی پرچی گر گئی اور نہ معلوم کہاں گری۔ واپس آیا اور ٹیبل سے پرچی اٹھا کر مضبوط گانٹھ سے لگائی۔ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے نماز ظہر پڑھی۔ اندر جہاز میں جانے کے لئے مصنوعی گلیارا عارضی طریقہ سے بنا رکھا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے ایک مکان سے دوسرے مکان میں داخل ہو رہے ہیں۔ اندر جہاز میں سیٹ نمبر 17F تلاش کی جس پر ائر ہوسٹس نے میری مدد کی اور بتایا کہ سیٹ کھڑکی کے پاس ہے، میں بیٹھ گیا اور آئینہ سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔ جہاز سے باہر جہاز کا داہنا بازو دیکھا۔ چھ بجے جہاز چلا اور دس منٹ تک ہوائی پٹی پر چلتا رہا۔ میں کھڑکی سے دیکھتا رہا۔ پھر جہاز نے ایک دم جھٹکا لے کر اڑان بھری اور میلوں اونچے ہو گیا، بادل نیچے رہ گئے۔ عمارتیں پہلے دہلی کی ایسی نظر آئیں جیسے مرغی خانے، چھوٹے چھوٹے بنے ہوں۔ مکانوں کے بیچ میں سڑکیں کالی دھاریاں دکھ رہی تھیں۔ جب جہاز کافی اونچائی پر آ گیا تو میں نے کھڑکی سے نیچے دیکھا کہ زمین کالی سرخی مائل اور آسمان نیلا تھا۔ ائر ہوسٹس چاکلیٹ لائی، تھوڑی دیر بعد ہر مسافر کے لئے ایک ٹرے میں کھانا رکھتی گئی۔ یہ کھانے مجھے اچھے نہ لگے۔ منگو چھیاں سی تھی جو انڈہ مچھلی سے تلی گئی ہوں گی۔ چھری کانٹا اور دو چمچے ساتھ آئے۔ سب چیز گتے کے ڈبے میں فٹ کر کے سامنے لایا گیا۔ میں نے کوئی چیز نہیں کھائی۔ مزہ ان کا مانوس نہ تھا۔ پانی بوتل میں سے پیا۔ بوتل مہر بند تھی جس کو چھری سے کاٹا۔ ائر ہوسٹس ٹھیلی گاڑی لائی اور

بچا سامان کباڑ کے بطور اکٹھا کرلیا۔

اس کھانے پینے میں ۴۴ منٹ ہوگئے۔ادھر لاہور ہوائی اڈہ آ گیا۔مختصر سامان کی وجہ سے ہر ایک نے مجھے چلتا کیا۔کوئی کسٹم کا سوال ہی نہ تھا۔ ہوائی اڈہ کے فرش کو دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ایسا فرش جس پر چلتے ہوئے مجھے ہچکچاہٹ ہوئی۔ کیونکہ فرش ایسا لگ رہا تھا جیسے پانی بھرا ہوا ہو جوتے اور پیر گیلے ہو جائیں گے۔ فرش کی کالی چمک سے پانی کا بھرم بندھ رہا تھا۔اس وقت مجھے واقعہ ملکہ بلقیس یاد آیا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔یعنی ملکہ کو فرش پانی لگا اور ملکہ نے اپنے پائینچے چڑھا لئے حضرت سلیمان نے کہا ''ہذا فرش ممرّد من قواریر''۔یعنی قواریر سے شیشہ سے بنا ہوا فرش ہے، پائینچے نہ چڑھاؤ۔

لاہور ہوائی اڈہ سے باہر آیا تو میں نے سواری تلاش کی، ٹیکسی کر کے فاطمہ ریسٹورینٹ، رنگ محل چوک میں آ گئے۔راستے میں سڑکوں اور روشنی کا جائزہ لیا تو نئی دہلی سے گھٹیا پایا۔البتہ پرانی دہلی سے ملتا پایا۔ گویا لاہور کی سڑکیں اور آبادی پرانی دہلی جیسی پائی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کو نئی دہلی جیسا بتاتے ہیں، زبان عام طور پر پنجابی پائی۔اردو زبان کو نہیں پایا۔کھڑی بولی کا رواج نہیں تھا۔تھانے میں اندراج کراتے وقت منشی کی لکھائی دیکھی، جیسا درجہ تین کا لڑکا اردو لکھ رہا ہے۔لاہور قدم رنجہ ہونے پر یہ محسوس ہوا کہ میں چہرے مہرے کے اعتبار سے بھارت کے کسی شہر میں ہوں۔ زیادہ لوگ بے ریش و بروت پائے۔مسجدوں کی آبادی بھی بھارت سے کم پائی۔فرقہ بندی تبرابازی جوبن پر پائی۔ایک اشتہار کی عبارت پڑھی ۔

مسلکِ تعظیم محمد کو جو شرک مانے
اس کافر کے بچہ کی گردن اڑائیں گے

یہ اشتہار مسلم مسجد پر لگا دیکھا۔مسلم مسجد عالی شان مناروں کی مسجد ہے۔میں نے پوچھا کیا لاہور میں غیر مسلم مسجد بھی ہے اس پر پاکستانی ہنس پڑے۔ مجھے ایئر ہوسٹس کا موجودہ انتخاب بہت اچھا لگا۔مگر میری برابری کی سواری نے دونوں ایئر ہوسٹس کو دیکھ کر کہا، کہ یہ دو ہیجڑے کہاں سے آ گئے۔دونوں خوش جمال نہ صحیح مگر سلیقہ مند شیریں مقال تھیں۔ایئر ہوسٹس کا خوش جمال کنواری ہونا بھی ایک فتنہ ہے، کیونکہ اخبارات میں کئی خوب رو ہوسٹس کا حسرتناک انجام پڑھ چکا تھا۔ چھپڑی جاتی اور ہریجن جاتی کی لڑکیوں کو ایئر ہوسٹس بنانا ایک فتنے کا سد باب ہے۔اگروال، گپتا سماج کی مطلقہ عورتیں بھی ایئر ہوسٹس بنیں تو نیک ترجیح ہے۔نہ کہ معیوب جیسا کہ میری برابری والی سواری امیدوار تھی کہ کوئی باکرہ خوب رو ایئر ہوسٹس ہونی تھی۔ میں نے اپنے واپسی ٹکٹ پر نظر کی تو اپریل ۱۹۹۲ء کا اندراج تھا۔ لاہور کا کھانا مکّے کی طرح پایا، بے ذائقہ، نمک مرچ بہت کم۔ مصالحے بھارت سے لانے تھے۔اڑد کی دال اور بڑا گوشت ندارد اور چھوٹا گوشت بھی بے ذائقہ تھا۔ان باتوں میں ہمارا علاقہ جنت نظیر ہے۔گھٹیا چائے کی پتی، دودھ ۸۴ روپیہ کلو پکا میٹھا، دیکھنے میں بہتر، لوگ کہتے ہیں بھینڑ کا ہے۔سگریٹ ۲۰ روپئے کی ڈبی۔ سبھی کتب خانے لاہور اردو بازار میں دیکھے۔ دو ایک کتاب

خرید لی، پاکستان میں نائی بھی حج کی طرح مہنگے ہیں۔جو فٹ پاتھ پر دکانیں لگاتے ہیں وہ سستے ہیں۔دس پانچ روپئے میں ہی حجامت بنا دیتے ہیں۔لاہور کی دوکانیں دس بجے کھلتی ہیں۔نائی دس بجے تک اپنی جیب بھر لیتے ہیں۔آج پیغمبر اسلام کی ولادت کا دن ہے۔لاہور بریلویوں اور رضاخانیوں کا گڑھ ہے۔ بیشتر امام رضاخانی اور بریلوی ہیں۔اس لئے پورے لاہور میں سرکاری دفاتر کے علاوہ دوکانیں بھی سب کی سب بند ہیں۔ایک دن پہلے ۱۱ ربیع الاول کو مشعل بردار جلوس داتا دربار سے مال روڈ تک نکلا اور ۱۲ ربیع الاول کو اسٹیشن لاہور سے داتا دربار تک دعوتِ اسلامی لاہور کی طرف سے بے مثال جلوس نکلا۔جس میں ہرے جھنڈے، ہری پگڑی اور بلّے چھاتی پر لگائے نعت خوانی کے ساتھ ایک میل لمبا جلوس نکالا گیا۔جگہ جگہ سینکڑوں مقامات پر دال روٹی اور دودھ شربت کا اہتمام بڑے پیمانے پر ہوا۔ راستہ میں لنگر تقسیم ہوئے۔داتا دربار پر بے پناہ ہجوم تھا۔داتا دربار بھی دربار صاحب امرتسر کے ڈھنگ پر رسومات سے بھرپور بنا رکھا ہے۔یہ سب سکھوں کی صحبت کا اثر ہے۔پنجابی زبان عام اور اُردو بول چال ختم ہے۔رسمی طور پر سرکاری زبان ضرور ہے۔سنا ہے کراچی میں اردو عام ہے۔ بھارتیہ ۱۰۰ روپیہ میں ۱۴۰ روپیہ پاکستانی ملتے ہیں اور ۱۰۰ ریال میں ۱۵۷۵ر پاکستانی روپیہ ملتے ہیں۔بعض حضرات زرمبادلہ سے بھی کمائی کر رہے ہیں۔اونچی مسجد رنگ محل کے امام حضور کے حلیہ کی لمبی فارسی نظم کا ترجمہ مجھ سے لکھوایا جس سے خوب دوستی بڑھی۔انہوں نے بہت خدمت ہر طرح کے پرہیزی کھانے سے کی۔اور چائے وغیرہ کا دور خوب چلا۔کچھ یادگار نقشے جیسا کہ محمدی شجرہ آدم علیہ السلام سے اب تک کا دیا۔ کتاب تاریخِ تصوف اور تاریخِ تفسیر دی۔ پاکستانی اخبار کی لکھائی اردو میں اچھی نہیں، لکھائی گنجلک پائی گئی۔ یہاں تو انڈیا کے اردو اخبار کو دور سے پڑھ لوگے۔لاہور کا کھانا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا پھیکا گجر بھت یا پھیکی دال کھا رہے ہیں۔مرچ مصالحے کم۔قورمہ ۶۰ روپیہ پلیٹ۔ بیڑی لاہور میں نہیں بکتی۔ لاہور والوں نے میرا منڈل اگلے دن ہی ختم کرا دیا۔ مجھے سگرٹ پر آنا پڑا۔ٹھیلی پر کھانا بیچنے والوں میں سے ایک پلیٹ دال اور ایک روٹی سے پیٹ بھر لیتا۔آم، لوکاٹ، کم مزے کے نظر آ رہے تھے۔تھری وہیلر سواری دہلی سے سستی تھی، ہر جگہ جانے پر رقم مقرر۔

سیر لاہور کے تاریخی مقامات کی:

۱۔داتا دربار ۲۔قلعہ جہاں گیری ۳۔جامع مسجد

داتا دربار کا کمپلیکس یہ ہے کہ اس کے چار طرف دہلی کی جامع مسجد کی طرح سڑکیں ہیں۔گویا لاہور کا دل داتا دربار ہے۔جو کہ سنگ مرمر کا ہے اور پُر ہجوم ہے، اور بریلوی لوگوں کا بڑا گڑھ ہے۔تمام کمپلیکس میں فارسی مضامین دیوار پر لکھے ہیں جیسا کہ دیوانِ خاص قلعہ دہلی میں کھودے ہیں۔داتا دربار کے چار منار مخروطی سنگ مرمر کے ہیں اور خوشنما ہیں۔دہلی کی جامع مسجد کے منار سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی سفید پٹیوں کے ہیں۔ برابر میں لنگر خانہ ہے، جہاں لمبی داڑھی والے پالک کاٹ رہے تھے۔اور ان کے سامنے دیگیں رکھی ہوئی

تھیں۔ کسی نے دس دیگیں کھلانے کو کہا ہوگا۔ کمپلیکس کے نیچے بہت سی لیٹرین اور غسل خانے موجود ہیں۔ جوتوں کے محافظ بھی تھے، جو کہ گتے کے ٹکڑے لئے ہوئے تھے جن پر نمبر لکھا ہوا تھا۔ جن کی فیس ۲ روپیہ تھی۔ جامع مسجد کے پاس سڑک پار کر کے منار پاکستان ہے، جیسا کہ جامع مسجد دہلی کے سامنے اردو پارک ہے۔ ایس ہی اس پارک میں رونق ہے اور جامع مسجد سے ملا ہوا ہی رنجیت سنگھ کا قلعہ ہے۔ مگر وہ شاندار نہیں ہے، کرسی نیچی ہے۔ جامع مسجد کی کرسی بھی دہلی کی جامع مسجد کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ قلعے کے اندر توپوں کے وہ گولے جو داغے جاتے تھے، نصب ہیں۔ قلعے میں دیوان خاص الگ دیوان عام الگ ہے۔ ایک حوض ہے جو بہت بڑا ہے، بیچ میں اسکے ماہتابی حوض بھی ہے۔ اس حوض میں گرمی میں ٹھنڈا اور جاڑے میں گرم پانی رہتا ہے۔ دوسرے عجائبات کو دیکھنے کے لئے میرے پاس ٹائم نہیں تھا۔ جامع مسجد کا صحن دہلی کی جامع مسجد کے برابر ہے۔ جامع مسجد کے دروازے سے لے کر ایک اور جامع مسجد کا صحن شروع ہوا جو کہ اتنا ہی بڑا صحن ہے جتنا کے اندر کا ہے۔ یہ بھی جامع مسجد کی چہار دیواری کے اندر کا صحن ہے۔ مگر اس میں جوتوں کے ساتھ گھومتے ہیں۔ علامہ اقبالؔ کا مزار بھی بائیں طرف ہے جس میں تاریخ وفات ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء لکھی گئی ہے۔ قبر کے دونوں طرف دو فوجی پہرے دار ہیں خدا جانے کیوں اس طرح مستعد فوجی کھڑے کئے گئے۔ جامع مسجد کے چاروں طرف دالان اسی طرح ہیں، جس طرح دہلی کی جامع مسجد میں ہیں۔ فرق یہ ہے، کہ یہ دالان ہوا، بارش اور سردی سے بچانے کے لئے سوا ہیں۔ مسجد کا صحن دہلی کی جامع مسجد سے بڑھا ہوا ہے۔ چھپا ہوا صحن کم معلوم ہوتا ہے۔ لاہور کی مسجدوں میں اماموں کی قرأت سنی، جو تجوید سے خالی تھی۔ ایک عربی مدرسے میں گیا لڑکوں سے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو تو اس نے کہا عربی پڑھتا ہوں میں نے کہا لَیُـنبَـذَنَّ کیا صیغہ ہے وہ جواب نہ دے سکا۔ میں نے کہا افسوس تم سمجھ کر نہیں پڑھ رہے ہو۔ لَیُنبَذَنَّ بحث مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے۔ متصل رنگ محل بازار زیورات کا ہے اس میں ایک مسجد ہے۔ جو ایاز مسجد کہلاتی ہے سنگ مرمر کی بنی ہے۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کا غلام تھا۔ اس کا ذکر علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں کیا ہے:

آ گیا لڑائی میں گر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کہ سر بسجدہ ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمو د و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

موسم مکہ کی طرح خشک، کپڑے سائے میں لٹکانے سے بھی سوکھ جاتے ہیں۔ تبلیغی اور مودودی کارکردگی کمزو رہے، رضاخانیوں کا زور ہے، حوالی لاہور میں تبلیغی کارکردگی اچھی ہے۔ کپڑے کی مارکیٹ دہلی دروازہ ہے۔ حافظ مقصود احمد اونچی مسجد چوک رنگ محل میں امام ہیں۔ وہ مجھے کھلاتے پلاتے رہے اور مجھ سے عربی فارسی کا استفادہ کرتے رہے۔ وہ حافظ وقاری باعمل ہیں، عیالدار آدمی ہیں۔ فاطمہ گیسٹ ہاؤس کے قریب ہونے کی

وجہ سے میں آ کر وہاں نماز پڑھتا تھا۔ عالی شان مسجد ہے، دیوبندی مسلک ہے۔ میں شیراں والا دروازہ لاہور انجمن خدام الدّین بھی گیا۔ جو اَب عالی شان مسجد ہے۔ یہاں سے رسالہ خدام الدّین نکلتا تھا۔ جو مولانا احمد الدین کا تھا۔ جو قرآن کی تفسیر بیان کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ انجمن حمایت اسلام بھی لاہور کا ترقی پذیر مدرسہ ہے۔ علامہ اقبال اسی کے سالانہ جلسہ میں نئی نئی نظمیں پھڑکتی ہوئی سناتے تھے۔ لب پہ آتی ہے دُعا اور چین وعرب ہمارا، سارے جہاں سے اچھا، یہ نظمیں اسی مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں سنائی گئیں اور دنیا میں پھیل گئیں۔

کرشن نگر بھی لاہور کی بہت بڑی آبادی ہے۔ اردو بازار دہلی کے چاوڑی بازار کی طرح ہے۔ جہاں کتابیں اور اسٹیشنری بکتی ہیں۔ بازار ختم پر درسی اور غیر درسی کتابیں آدھی قیمت پر لوگ فٹ پاتھ پر بیچتے ہیں۔ جو کہ پرانی ہوتی ہیں۔ فٹ پاتھ پر کتابیں چن دیتے ہیں میں نے بھی کتاب مطالعہ پاکستان جنات کی حقیقت اور ناقابلِ فراموش سچے واقعات خریدی اور شہدا ناموس رسول بھی دیکھی میں چلنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ میری انگریزی دوائیں وہاں نہیں ملتی تھیں۔ میری آنکھیں دکھنے آ گئیں۔ میں نے تین روپیہ کی شیشی خریدی فائدہ ہوا۔ باقی دوائیں چاہے دیسی تھی یا انگریزی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ لاہور والوں کی بے پناہ محبت کو چھوڑ کر فلائٹ 2904 سے جمعہ کے دن دہلی واپس ہونا تھا۔ جمعہ میں بریلویوں نے پنجابی زبان میں جمعہ سے پہلے تقریر کی جو مجھے اچھا نہ لگا۔ کیونکہ اردو زبان کو نہ اپنایا۔ کشمیری بازار کپڑے کا بازار ہے۔ میں بیڑی پیتا جا رہا ہوں، کپڑے کے بیوپاری مجھے تعجب سے دیکھ رہے ہیں اور بیڑی مانگ رہے ہیں۔ وہاں بیڑی ملتی نہیں۔ اگر ہے تو بیکار ہے۔ اس بیڑی کی وجہ سے محمد عثمان قادری تاجر ساڑھی سے ملاقات ہوئی۔ ان کو میں نے بیڑی دی اور انہوں نے مجھے سگرٹ کی ڈبی دی۔ ان سے دیوبندی اور بریلوی مسلک پر باتیں ہوئیں۔ جس کے تاثر میں وہ میرے حلقہ بگوش ہو گئے۔ میں نے ان سے کام لیا وہ صبح شام میرا انتظار کرتے اور کھانے میں یاد کرتے، کلام رومی اور کلام رضا خانی پر تبصرے اور بحث چلتی اور چائے، کھانے کا دور بھی چلتا۔ میں نے ان سے یہ فائدہ اٹھایا کہ تین ہزار روپیہ کا کپڑا اُن کے ذریعہ خریدا کیونکہ ان کے تعلقات آس پاس ایسے تھے کہ وہ جہاں کپڑا لینے جاتے ان کو چائے یا ٹھنڈی بوتل سے کپڑے والے ضرور نوازتے۔ دو گھنٹے میرے ساتھ کپڑا خریدوانے میں لگ گئے۔ یہ ان کا مجھ پر احسان ہو گیا اور مجھے روز ہی چاہے میرا جی کرے یا نہ کرے ان کے پاس آنا پڑتا تھا۔ اونچی مسجد کے نمازی محمد نعیم، محمد سلیم، میرے تعلق میں امام صاحب کے ذریعہ آ گئے۔ ان کی دوکان صرافے میں ہے۔ جہاں زرگر بہت ہیں۔ انہوں نے مجھے یادگاری کارڈ اور چاندی کی انگوٹھی بھی دی اور چونکہ میں نے سب پیسے کپڑے میں لگا دئے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کل کو تو جانا ہی ہے مگر میرے ساتھی نے میرے ساتھ نہ جانا چاہا۔ نتیجہ یہ کہ میں خرچ میں پریشان ہو گیا۔ جس کی بھنک محمد نعیم کو پہنچ گئی۔ انہوں نے تین سو روپیوں سے میری مدد کی تا کہ کھانا پینا صحیح چلتا رہے۔ کیونکہ ہوائی ٹکٹ پر 29/4 لکھی تھی اس کو 2/5 کا بنوایا۔

جلدی جلدی شاہد، سلیم اور نعیم نے لاہور دکھایا۔ایک دن موٹر سائیکل پر بٹھا کر بھائی شاہد زرگر اور محمد نعیم مجھے سبزی منڈی اور ہیرا منڈی دکھاتے ہوئے دریا راوی اور شاہدرا دکھایا، جہانگیر کے مقبرے لے گئے۔مقبرہ کیا ہے قلعہ ہے، قلعے برابر حد بندی، حوض اور چھت دار خوبصورت عمارت بھی ہے۔جس کے چاروں طرف کنگورے جالیدار ہیں۔ جہانگیر کی قبر پر ۹۹ نام اللہ کے لکھے ہوئے ہیں۔اسی طرح نور جہاں کی قبر کا حال ہے۔وہاں بھی ۹۹ اللہ کے نام لکھے ہوئے ہیں اور سنگِ مرمر کا کتبہ ایستادہ ہے۔شاہ جہاں کے خُسر ممتاز محل کے باپ آصف جاہ کا مقبرہ الگ ہے۔نور جہاں اور اسکا بھائی آصف جاہ شیعہ مسلک کے تھے۔مقبرہ ویران سا تھا۔مقبرے کے چاروں طرف فوجی کوٹھریاں تھیں جیسا کہ قلعے کے چار جانب کھلی کوٹھریاں ہوتی ہیں۔ہم نے وضو کر کے نماز پڑھی اور باہر آ گئے۔نور جہاں کا مقبرہ وہاں سے پانچ فرلانگ تھا۔وہاں پہنچے موٹر سائیکل کی پارکنگ ٹوکن لیا اور اندر جانے کے راستہ پر آ گئے۔ جہاں ٹکٹ والوں نے روکا۔ پتہ چلا کہ ٹکٹ فی کس دس روپیہ ہے۔غیر ملکی کے لئے دوسو روپیہ ہے۔میں غیر ملکی تھا۔انڈین تھا۔میرے نام کے ٹکٹ کے میرے دونوں ساتھیوں سے دوسو مانگے۔میں دوسو کا نام سنتے ہی پارکنگ اسٹینڈ میں آ کھڑا ہوا۔جو کافی الگ دور تھا۔نہ مجھے دو سو دلوانے نہ مقبرہ نور جہاں دیکھنا۔پاکستانیوں نے شرم دلائی کہ ہندوستان جا کر دھوتی پرشادوں سے کیا کہیں گے دوسو میں قبر نور جہاں دکھاتے تھے۔ مجھے بہت بُلاتے رہے، اور دور سے اشارہ کرتے رہے، میں نہیں گیا۔ آخر دونوں ساتھیوں نے آ کر کہا کہ آپ کا جانا فری ہو گیا۔دوسو نہیں لگیں گے، تب میں گیا۔نور جہاں کی قبر پر دوپہر کا موسم تھا، اپریل کا مہینہ تھا۔اسٹوڈینٹس سالانہ امتحان کی تیاری کے لئے یہاں ٹھنڈی اور پرسکون ماحول میں آئے ہوئے تھے۔میں نے چند سوال کئے۔میتھمیٹک کا سوال کیا، جواب ندارد۔میں نے ہسٹری کا سوال کیا، جواب ندارد۔ میں نے الجبرا یعنی بیج گنت کا سوال کیا، جواب ندارد۔میں ان کی تیاری کو سمجھ گیا کہ نوٹس یاد کرنے پر پاس ہوں گے۔میں فاطمہ ریسٹورینٹ میں پانچ سو روپیہ کرائے پر تھا۔بجلی، پانی اور گدے کی سب سہولت تھی۔ دوسو روپیہ تھانے میں آمد اور رفت کی لکھائی کے بھی ہوٹل والے ہی لے لیتے ہیں۔ایک عورت تیلن، جس کا نام انوری جو کہ محلّہ اندرا چوک صابری باغ تیلیوں کے چوک کی تھی۔ پچاس سالہ بیوہ خدمتگار قسم کی تھی۔ایک اور صاحب برہم پوری دہلی کے رہنے والے شیعہ مسلک کے عمر سو سال بیوی اسی سال میرے کمرے میں میری برابر میں تھے۔پہلے وہ موضع سانکھنی جلیل پور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے، اب وہ سلیم پور برہم پوری میں رہتے ہیں۔رات کو ان کو خالی ٹائم میں وقت گزاری کو بتاتا کہ میں نے امتحان منشی کی تیاری میرٹھ منصبیہ کالج ریلوے روڈ میرٹھ میں ۱۷ سال کی عمر میں کی تھی۔یہ کالج میرٹھ میں شیعوں کا ہے۔سُن کر بہت خوش ہوئے۔شعر سننے کا شوق سو سال میں بھی رکھتے تھے۔وقت کاٹنے کو کچھ سنا دیتا۔ورنہ لاہور سے خریدی ہوئی کتابوں کا مطالعہ رات بھر کرتا نیند ایک دو گھنٹہ آتی صحت پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔شیعہ بُڈّھا کہتا آپ کسی امتحان کی تیاری کر رہے ہو جو رات بھر کتابیں دیکھتے ہو۔ہندوستانی ہمدرد دواخانہ اعلیٰ ترقی پر

ہے۔ پاکستان میں بھی ہمدرد دواخانہ ہے اور اسکی شاخائیں ہیں۔ پر دوائیں بے اثر ہیں۔آج اچانک بھائی شاہد ظہر کے بعد بولے آج مجھے فرصت ہے۔اگر جامعہ اشرفیہ عربی کا بڑا مدرسہ دیکھنا چاہو تو موٹر سائیکل حاضر ہے۔میں تیار ہو گیا۔کمرہ ہوٹل پر ساتھی کو اطلاع کر کے آیا تو میں نے شاہد کو موٹر سائیکل کے ساتھ سڑک کے کنارے چوک رنگ محل میں تیار پایا۔میں بیٹھ گیا اور چلتے بنے۔راستہ میں چوراہے پر ایک مسجد آئی، میں نے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے، کہنے لگے یہ مسجد ایک رات میں بنی ہے۔جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

مسجد تو بنالی دم بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
نفس اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی ہو نہ سکا

آگے چلے تو شاہد نے کہا کہ یہ مال روڈ ہے جس پر اکثر لیڈیز کالج ہیں۔ پرہجوم سڑک ہے، پھر چڑیا گھر آیا، پھر گورنر ہاؤس آیا اور اسمبلی پنجاب دیکھی۔کافی دور آنے پر مدرسہ جامعہ اشرفیہ آیا۔مدرسہ میں آ کر دیکھا کہ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔عصر جماعت ثانی سے پڑھی۔عربی مدرسہ جان کر مختلف طلبہ سے عربی میں بات چیت کرنی چاہی، مگر کسی نے گائڈ بننا گوارا نہ کیا۔آخر ایک صاحب مل ہی گئے اور وہ ہماری عربی گوئی سے متاثر ہوئے۔رہبری کو تیار ہو گئے۔انہوں نے مختلف کلاسیں عربی کی دکھائیں، بہت سے طلبہ سے ملوایا۔ہم نے عربی میں بات چیت کرنی چاہی مگر کوئی ہم سے عربی میں نہ اُلجھا۔ہم نے طعنہ بھی دیا۔''لاتفعل ھکذالان الفعل ھذامن جفاء''(ترجمہ: آپ ایسا نہ کیجیے، کیونکہ یہ فعل آپ کا زیادتی میں شمار ہوگا)۔کچھ اساتذہ باہم مذاکرہ کر رہے تھے۔ان سے گائڈ نے بات کرانی چاہی، پہلے ان سے اجازت لینی چاہی۔انہوں نے کہا بڑوں سے ملاؤ، مولانا عبیداللہ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے۔ہم نے سوچا یہ پیٹ بھرے عالم ہیں ہم خود ہی ان سے مل لیتے مگر ان کے پاس کرسی خالی نہ تھی۔ان کے کہنے کے بموجب وہاں سے چل دئے۔ہم نے عبدالرزاق گائڈ سے کہا، مدرسے کی سیر کراؤ۔مدرسہ دیکھا، تو دارالعلوم دیوبند کے برابر پایا۔اتفاق کی بات جب ہم واپسی کو چلے تو مولانا عبیداللہ دس بیس مولویوں کے آگے آگے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ہم نے موقع غنیمت جان ان سے مصافحہ کر لیا۔اور ہم نے کہا السلام علیکم اور پوچھا ''**کیف مزاجک السامی انی قدمتُ مِن الدھلی لاتشرفَ من لقائکِم** ''(ترجمہ: آپ کا مزاج کیسا ہے، میں دہلی سے قدم رنجہ ہوا، آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کو) جواب ندارد۔میں نے سمجھا، کہ زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے سٹھیا گئے۔میں نے گائڈ سے مولانا عبدالرحمٰن شیخ الحدیث سے ملاقات کرانے کو کہا۔اس نے ایک صاحب سے سفارش کی کہ ان ہندی بزرگ کو مولانا سے ملوادو۔انہوں نے بچہ بھیج کر اجازت لے لی اور مجھے بلا لیا۔کمرے میں جب جھانکے تو دیکھا کہ مولانا کے سامنے ایک سیٹھ اور ان کی اہلیہ بیٹھی ہوئی تھی۔اور وہ خود ہاتھ میں چائے کی پیالی اور پلیٹ میں دو بسکٹ لئے بیٹھے تھے۔ہماری علیک سلیک پر انہوں نے مجھے چارپائی پر برابر میں

بٹھالیا۔ میں نے ساتھی شاہد کو دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اپنا تعارف سنِ فراغت مظاہر العلوم سہارنپور بتایا اور جو کچھ ان کے مدرسہ میں طلبہ کی علمی کمزوری دیکھی اس کو دومنٹ میں ہی سب کچھ بتادیا۔ انہوں نے ماضی کے تذکرے میں بتایا کہ میں ہند گیا تھا۔ عصر کے بعد مولانا مسیح اللہ مرحوم کی اور عشاء کے بعد میری تقریر تھی۔ کوئی جلسہ ہوگا جس میں بُلائے گئے ہوں گے۔ انہوں نے اپنی تعلیم دارالعلوم سے بتائی۔ وہ کہنے لگے انگریزی سن ہماری تعلیم کا کیا پڑتا ہوگا۔ میں نے کہا آپ دارالعلوم میں ۱۹۵۴ء میں تھے۔ میں مظاہر العوم سہارنپور میں ۱۹۵۶ء میں تھا۔ پھر بریلویوں اور دیوبندیوں کے تذکرے چلے۔ پھر علماء شیخ الحدیث مولانا زکریا، مولانا حسین احمد مرحومین کے تذکرے ہوئے۔ پرانی باتیں اور یادیں تازہ ہوئیں۔ اور انکی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا کہ میرے ساتھی کو مغرب شہداء مسجد میں پڑھنی ہے۔ اس لئے یار زندہ صحبت باقی پھر ملیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھہرو اٹھتے اٹھتے پھر چارپائی پر بٹھالیا اور کہا، مولانا اشرف علی مرحوم کا معمول پتا ہے کیا تھا؟ وہاں گیلی اور سوکھی دونوں طرح کی دعوتیں چلتی تھیں۔ میں یہ نوٹ سوکھی دعوت کا نذر کرتا ہوں۔ میں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کا مہمان نہیں، یہ تکلّف بلاضرورت ہے، وہ نہ مانے اور میری جیب میں باوجود کمزور نگاہ جیب کو تلاش کر کے جیب میں ڈال دیا۔ کیونکہ ہاتھ میں وہ، میں نے لیا ہی نہ تھا۔ مجھے ابّا حضور کی بات یاد آ گئی۔

بن مانگے ملے ہیں موتی، مانگے ملے نہ بھیک

دونوں نے کندھے ملائے، اور انہوں نے رخصتی شعر پڑھا:

دلم می سوزد از داغِ جدائی
چہ بودے گر نہ بودے آشنائی

میں نے بھی پڑھا:

قدر جوہر شاہ بداندیا بداند جوہری
قدرِ گل بلبل بداند قدر پیغمبر ولی

معانقہ سے علیحدہ ہوکر میں نے اپنے حسنِ خاتمہ اور ساتھی شاہد کے لئے بھی دعا کرائی۔ انہوں نے شاہد کے لئے اور میرے لئے جامع دعا کی اور کہا مقبولیت گھومنے والی چیز ہے۔ کبھی کوئی مقبول ہوتا ہے اور کبھی کوئی۔ میں بھی دعا چاہتا ہوں میں نے کہا ہم لوگ صدقِ مقال اکلِ حلال سے محروم ہیں جو شرائط دعا میں ہیں۔ آپ دعا فرمادیں کہ ہم کو صدق مقال اور اکلِ حلال میسر آجائے۔ انہوں نے دوبارہ معانقہ کیا اور رخصت کیا، میں یار زندہ صحبت باقی کہتا ہوا باہر آیا، گائڈ انتظار میں کھڑا تھا۔ گائڈ عبدالرزاق دورۂ حدیث (مولویت کا آخری سال) کا طالب علم تھا۔ ہم نے کہا تمہاری خدمت اور خلوص سے ہم متاثر ہوئے، اپنا پتہ

اور موبائل نوٹ کرادو۔ وہاں طلبہ بھی موبائل رکھتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ مولانا کے اس نوٹ کو تو دیکھو کہ کتنے کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک ہزار کا نوٹ ہے۔ ہم ان کی خدمت سے حیرت میں گئے اور خدا کے شکر گزار بھی۔ کیونکہ میرے پاس ضروری فون کرنے کے لئے پیسہ بھی نہ تھا۔ کھانا پینا تو ایک دو دوست کراہی دیتے تھے۔ مگر ہندوستانی فون تو ذاتی خرچ تھا۔ روانگی کا دن 2005-04-25 کو جان کر سب کرنسی ختم کردی۔ ساتھی کہنے لگا، کہ 2005-5-2 کو چلیں گے۔ میرے پاس تین سو روپیہ بھی بھائی نعیم کے دئے ہوئے تھے۔ اس میں یہ ٹائم کاٹنا مشکل تھا کیونکہ ایک بار کیرانہ فون کرنے پر ۱۶۰ر روپئے لگ گئے۔ باقی ۲۱۰ میں سات دن کاٹنے بھاری لگے۔ اللہ نے غیب سے مدد فرمائی ایک ہزار کی اور دینی ادارہ جامعہ اشرفیہ کی زیارت بھی نصیب فرمائی۔ ''ان اللہ یرزُقُ مِن حیثُ لایحتسِب'' (ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے کہ بندہ کا خیال بھی وہاں تک نہیں جاتا) راستہ میں شہداء مسجد آئی، اور نماز مغرب پڑھی۔ شہداء مسجد جنگ ۱۹۶۵ء مابین ہندو پاکستان۔ اس کے باہر عالی شان ہوٹل تھے۔ ساتھی شاہد نے دعوت کھانے کا اصرار کیا۔ میں نے سوچا ان کے کھانا پوچھنے کا کیا تُک ہے مگر وہ بڑے بڑے عالموں کو سوکھی دعوت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے اسے سعادتمندی جان کر نماز کے بعد، فرمائش کی۔ میں نے کہا بھوک نہیں ہے کہا مجھے کھانا ہے تم کو بھی کچھ کھانا ہوگا۔ اور کیا کھاؤ گے۔ میں نے کہا لاہور کے سب کھانے چکھ لئے بیکار لگے۔ آج کوفتے کھلاؤ، ہوٹل والے نے کہا کوفتے ختم ہیں، حلیم موجود تھا۔ میں نے کھایا بھارت کے مقابلہ پر ''زیرو'' شکر کر کے کھالیا۔ شاہد بولے ایک پلیٹ پھلوں کی چاٹ کی بھی کھانی ہے۔ جو ہوٹل کے برابر میں علیحدہ دکان ہے۔ میں نے کہا پیٹ میں جگہ نہیں ہے۔ شاہد بولا سب ہضم ہوجائے گا۔ بڑی مشکل سے پلیٹ صاف کی۔ پھلوں کا ذائقہ ٹھیک مگر مصالح ''زیرو'' بے ذائقہ۔ چائے بھی پھیکی پینے کا رواج ہے۔ چائے کی پتی گھٹیا، غرض واپس ہوئے اور محمد نعیم محمد سلیم دونوں بھائیوں کو ایک ہزار ملنے کی بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ ان کو پیسہ ختم ہونے کی بُو پہنچ چکی تھی۔ وہ بولے ہم دونوں سنار مزدوری کرتے ہیں۔ زیور بنا کر بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں۔ دس لاکھ کے قرضدار ہیں۔ ہم پر ایسی ہی مصیبت پیسہ ختم کی آئی تھی۔ ہمیں پتہ ہے کہ مسافر بے مایہ پر کیسی گزرتی ہے۔ ہم دونوں بھائی فکر میں تھے۔ تین سو دے دئے تھے دینا اور چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ کی فلائٹ 2005-5-2 ابھی دور تھی۔ قیام بڑھا تو خرچ بھی بڑھا۔ ہم نے احساس کر کے تین سو دئے۔ مگر وہ خرچ آٹے میں نمک تھا۔ آپ نے اپنے سب پیسوں کے کپڑے خرید لئے۔ آپ نے سوچا 2005-4-25 کو تو چلے جائیں گے۔ آج 2005-4-30 کو آپ کو ایک ہزار مل گئے، خوب ہوا، اب تو فون کرو اور عمدہ کھاؤ۔ میں نے فراغتی سے فون کئے اور کھایا۔ ۶۰۰ پھر بچ گئے جو انڈین بدل لئے۔ 2005-5-2 میں انڈین ایئرلائن سے دہلی پہنچا۔ اور

جامعہ مسجد سے دس روپیہ رکشا میں دے کر اسٹیشن آیا۔ گاڑی صبح پانچ بجے چلنی تھی۔ دو گھنٹے لیٹ کر اور دس روپیہ دے کر رکشا میں بیٹھا پانی پت کے لئے بس اڈے آیا۔ اور پھر وایا پانی پت کیرانہ آ گیا۔ واضح ہو کہ قاری رضوان، مقصود اونچی مسجد رنگ محل لاہور کے یہاں میرا خریدا ہوا سامان انکی کھڑکی اور الماری میں جو مسجد سے ملحقہ مدرسہ میں تھی رکھا ہوا تھا۔ سب مسجدوں میں دن میں تالے۔ اور رات کو نماز ٹائم کے علاوہ تالے کا معمول ہے۔ میں جب اونچی مسجد میں آتا اور نماز کا ٹائم نہ ہوتا تو گھنٹا بجاتا تو انکا لڑکا آتا اور اندر بلاتا۔ کھانا کھلاتا اور چائے پلاتا۔ باریک قیمتی سامان یا نقد فاطمہ ریسٹورینٹ میں رکھنا عقل کے خلاف تھا۔ کیونکہ ایک کمرے میں کئی کے ٹھہرنے کا نظام ہے۔ میرے کمرے میں بزرگ عمر کے شیعہ اور سہارنپور کی انوری تیلن ساکن صابری باغ تھے اور ایک ماں بیٹے نام نامعلوم کیلاش پور ضلع سہارنپور کے تھے۔

سفرِ عمرہ (مکہ و مدینہ) 2005ء

میں اور حاجی محمد اسلم و حاجی محمد متین واُن کی اہلیہ گلناز اور ان کی لڑکی رمشہ اور لڑکا محمد علی کُل ۵ نفوس نے زیارت مکہ و مدینہ کا ارادہ کیا کیونکہ مولانا محمد حشیم صاحب، مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ معظّمہ جو کہ پڑپوتے ہیں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے بھائی مولانا سعید کے، مناظرِ اسلام کے بلانے پر اور حاجی محمد اِسلام صاحب کے حرص دلانے پر اَیئر انڈیا سے 9-7-2005 کو مکہ احرام کے ساتھ پہنچا۔ ادائیگی ارکان کے بعد مولانا حشیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور وہیں ایک مہینے انہوں نے میرا قیام رکھا۔ اُن کے دفتر مدرسہ میں علماء پاکستان، کویت، لندن اور چین کے بھی علماء سے عربی میں تبادلۂ خیال ہوا۔ مکہ میں ہجوم زمانہ حج کے برابر دیکھا، سوچا کیا ساری دنیا ہی عمرہ کرنے آ گئی۔ چار ہزار تو ایرانی شیعہ عورتیں عمرہ کرنے آئی ہوئی تھیں او چند سو پاکستانی رضا خانی دعوتِ اسلامی پیشانی اور سر پر ہرے رنگ کی پٹی باندھے نظر آئے۔ مکے میں کھانا کھاتا او رکھا کر کہتا آہ دعوتِ کیرانہ کیونکہ لذائذ دنیا قدرتی طور پر باری تعالیٰ نے کھانے پینے کے یہاں خوب دے رکھے ہیں۔ دونوں جگہ مکہ مدینہ میں رخصتی دعا رو رو کر کی گئی۔ اور بار بار زیارت کی تمنا کی۔ جنت المعلیٰ میں عارضی دفن کرنے کو کئی بار سمجھنے گیا۔ مزار حضرت زبیر، حضرت خدیجہ، حاجی امداد اللہ و مولانا رحمت اللہ وغیرہ کو دیکھا اور سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان پر رحم کرے۔ لُو چل رہی تھی۔ مکے میں ایئر کنڈیشن کمرے میں قیام تھا۔ مدینے میں چار روز رہا۔ چار دن کا کرایہ تین ہزار چھ سو روپیہ روز تھا جو پانچ آدمیوں نے تقسیم کر کے نمٹایا۔ کیونکہ ہم پانچ آدمیوں نے ایک کمرہ لے لیا تھا۔ کلمہ کھجور خریدی ۱۰۰ روپیہ کلو، اور مکے سے زمزم کی کین خریدی۔ مولانا محمد شفیع نے دوبارہ سن ۲۰۰۷ء میں حج میں بلانے کا وعدہ کیا کیونکہ وہ فارسی ٹیچر کو عرب میں بلانا چاہتے ہیں۔ جبکہ عربی اردو قرآن کے ٹیچر بہت ملتے ہیں۔ محمد عمر لڑکے نے مولانا رحمت اللہ کا مختصر تذکرہ، کتاب ''ایک مجاہد معمار'' اردو کو ہندی میں مجھ سے تبدیل کروایا اس پر مولانا حشیم صاحب نے ۵۰۰ رِیال برابر ۵۷۵۰ روپیہ اور کچھ تحفے بطور انعام میرے لڑکے محمد عمر کیرانوی کو دئے۔ کتاب ہندی میں چھپ گئی اور 2006ء کے حج میں مدرسہ صولیتہ سے تقسیم کی گئی۔

20-8-2005 کو ایئر انڈیا سے دہلی واپس ہوا۔

سفر پاکستان دویم

۲۰۰۵ء

گھر سے چلا سنولی تک جیب کٹ گئی، چودہ ہزار صاف گئے، ڈھائی ہزار دوسری جیب کے اور ساڑھے تین ہزار حاجن کے پاس تھے، اللہ نے کام چلایا اور نجم لڑکے نے بھی دئے، سفر کا اس لئے ارادہ ہوا کہ رائے ونڈ جو کہ لاہور سے متصل ایک آبادی ہے وہاں تبلیغی سرگرمیاں تیز تر ہیں، اُس کا سالانہ اجلاس لاکھوں کی تعداد میں ہوتا ہے۔ شریک ہوجاؤں جو کہ ۱۸/نومبر ۲۰۰۵ء کو تھا مگر دہلی میں بیحد کوششوں کے باوجود ویزا نہ پاسکا اور میرے لڑکے نجم الاسلام نے بعد میں کسی طرح ویزا لے لیا اور مجھے اور اہلیہ حاجن کو بھی پاکستان روانہ کیا۔ سردی کا ابتدائی موسم تھا، ہوائی جہاز سے سفر طے ہوا، فاطمہ ریسٹورینٹ قیام کے لئے جا پہونچے مگر ہمارے ملنے والے محمد نعیم اور محمد سلیم زرگر چوک رنگ محل راتوں رات ہم کو اپنے گھر لے گئے۔ حاجن کو تفریح کے مقامات تاریخی لاہور میں دکھائے، اب کی بار کھانوں میں مزہ آیا کیونکہ مرچ پسی ساتھ لے گئے تھے۔ محمد نعیم کی بیوی فرح دیبا اور محمد سلیم کی بیوی نسیم بانو نے بے مثال خاطرداری کی۔ پہلے کی طرح بھائی شاہد زرگر مجھے مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور لے گئے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے خشک دعوت کے مثل سابق ایک ہزار روپے دئے اب کی بار خوشی کم رہی کیونکہ کچھ روپے جیب میں تھے، اُس وقت بہت تنگدست تھا۔ مولانا شیر محمد مفتی صاحب کی دعوت کھائی اور باہمی مذاکرے بھی، مولانا شیر محمد صاحب نے پوچھا مکہ کیوں نہ رہے میں نے کہا عارضی تدفین پسند نہ آئی۔ ہم جلد ہی 12/2/2005 کی فلائٹ سے واپس ہوئے۔ تین دن دہلی آرام کیا اور جب کیرانہ آئے تو دلگداز حالات کا علم ہوا۔ اسی دوران ایک رشتہ دار، داماد قاری حبیب الرحمٰن (ایوب) پر ہارٹ اٹیک کا دورہ پڑا جس میں حاجی محمد متین سے بطور قرض ۸۵ ہزار دلوایا جو انہوں نے شفایابی پر واپس ان کو کردیے تھے۔ اور دل کا علاج دہلی کے اسکاٹ ہسپتال میں کرایا گیا۔ بعد میں شمشاد منگلوری کے ہاتھوں مزید ضرورت پڑنے پر دس ہزار روپئے اپنے کھاتے سے نکلوا کر دئے اور اللہ نے شفاء مریض کو دیدی۔

سفر پاکستان سویم

دسمبر ۲۰۰۶ء

پاکستان کے سفر اول میں پاکستان میں مقیم محمد نعیم و محمد سلیم میرے ایک بار کسمپرسی میں ایسے کام آئے کہ مجھے ان سے دلی محبت پیدا ہوگئی (پسران جناب محمد شریف مرحوم ساکنان شاد باغ لاہور اور چوک رنگ محل ایاز مسجد کے پاس جن کا انگوٹھی سازی کا کام ہوتا ہے)۔ اپنے خیالات ان پر اور ان کے خیالات مجھ پر غالب ہوگئے۔۔ ہوا یوں کہ میرے ساتھی نے کہا آپ کو ۲۰۰۵-۵-۲۵ کو چلنا ہے جو کہ ٹکٹ پر مندرج ہے۔ کیونکہ روانگی اور آمد دونوں طرف کے ٹکٹ ایک ساتھ بوقت روانگی دیدئے جاتے ہیں واپسی کی تاریخ ہوائی اڈے والے معلوم کر کے مندرج کردیتے ہیں۔ ۲۰۰۵-۵-۲۵ کی روانگی کے وجہ سے پاکستانی پیسے کھانے پینے اور تجارت کے لئے صرف کردیے۔ کیونکہ یہ روپیہ پاکستانی بھارت میں بدلوانا پڑتا میں نے یہیں خرچ کردئیے۔ ۲۵ تاریخ میں جب میں نے اپنے ساتھی سے تیاری کو کہا وہ بولے ۲۰۰۵ء-۶-۲ تاریخ کو جانا ہے، مجھے فکر دامنگیر ہوگئی کیونکہ پیسہ خرچ کر چکا تھا۔ خیر کھانا وغیرہ تو محمد عثمان زری ساڑھی والوں کے یہاں جو کشمیری بازار میں فیض گنجور کے نام سے مشہور ہیں کھالیتا اور کچھ نعیم صاحب کے ساتھ مگر خرچ علاوہ بھی تھا جس کی پریشانی کا محمد سلیم محمد نعیم کو علم ہوا تو انہوں نے ۳۰۰ روپے امداد کی جو کہ میرے لئے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوئی اور ان دونوں بھائیوں نے مجھے احساس نہ ہونے دیا کہ کوئی پریشانی لاینحل ہے یہیں سے میں ان کے اور وہ میرے قریب آتے گئے۔

دوسرے میرے محسن مولانا عبدالرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں جنہوں نے باوجود میرے عذر کرنے اور فرار کے دعوت ہر بار کرنی ضروری سمجھی میں ہر بار بچتا اور وہ نقصِ عذر کے لئے کوئی فارمولہ تیار رکھتے اور مجھے ایک ہزار روپے دینے ضروری سمجھتے اور مجھے یاد آتا:

نہ کس می دہد نہ کس می دہاند　　　خدا می دہد خدا می دہاند

بہرحال ان حضرات کے دیدار چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے ایک بار پھر کرلوں۔ چنانچہ مجھے ویزا مل گیا، میرے ویزا کے ملنے پر اہلیہ حاجن صاحبہ نے بھی تحریک کی کہ میں بھی چلونگی اس سے پہلے کبھی تقاضہ نہیں کیا۔ اچانک تقاضہ سے پریشان ہوگیا اور وہ پچھلے سفر میں ساتھ گئی تھیں، ان کو روانگی پاکستان کا ابھی سال پورا نہیں

ہوا تھا اور موجودہ قانون کے مطابق سال پورا ہونے سے پہلے کسی کو ویزا نہیں ملتا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے فارم چار مرتبہ بھرا، مگر ہر بار سفارت خانہ سے انکار ہی ملا یہاں تک کہ میرے ۹۰ دن پاکستان جانے کے پورے ہونے کو ہوئے، آخر کار میں اکیلا ہی لاہور گیا۔ میں نے چاہا کہ ندیم احمد میرا نواسہ بھی میرے ہمرکاب چلے مگر چونکہ اس کو ہوائی سفر کا شوق تھا اور میں ۳ بار ہوائی سفر کر چکا تھا ریلوے سفر آزمانے کا اشتیاق تھا کہ سمجھوتہ ایکسپریس کی دقتوں کو بھی سمجھوں، چنانچہ میں رختِ سفر لے کر دہلی پہنچا، دہلی بس اڈہ سے متصل دہلی اردو اکادمی دفتر ہے وہاں مولوی نجم الاسلام میرا منجھلا لڑکا مجھے پرانی دہلی اسٹیشن پہنچانے کے لئے ساتھ ہوا۔ اُسی نے گھنٹوں لائن میں لگ کر ٹکٹ لیا پھر پاس ہی کھانا کھلایا کہ اب رات کے نو بج چکے تھے گاڑی سمجھوتہ ایکسپریس دس بج کر پچاس منٹ پر چلنا تھی اور وہ چلی گاڑی فراٹے کے ساتھ۔ ۶ گھنٹے میں اٹاری اسٹیشن آ گئی، ۷ گھنٹہ وہاں ٹھرے میں انڈین امیگریشن فارم بھرا اور کسٹم نمٹا اور گاڑی واگہہ کے لئے چلی، آدھا گھنٹہ بعد انڈین سرحد میں چلی اور پاکستانی سرحد واگہہ پہنچی۔ واگہہ میں ۵ گھنٹہ تک کسٹم افسران نے کسٹم اور پاسپورٹ ویزا چیک کیے پھر پاکستانی ریلوے میں بیٹھ کر آدھا گھنٹہ میں لاہور پہنچے تب سوا گیارہ بج چکے تھے۔۔ پاکستانی محمد نعیم صاحب ہمراہ نواسہ ندیم احمد میرے استقبال کو اسٹیشن آئے مگر مجھے نہ ڈھونڈھ پائے اور نامراد واپس ہوئے۔ ادھر میں سوچتا رہا کہ تجھ سے دو دھڑی بوجھ نہیں اٹھتا۔ قلی ذراسی دور اسٹیشن ہی دھڑی کے سو روپے مانگ رہے تھے جو کہ فضول خرچی تھی۔ سامان زمین پر سرکاتا لے چلا، سامان کتابیں، کپڑے اور مطلوبہ اشیاء تھیں، اسٹیشن سے باہر آیا تو ٹمپو ٹیکسی والے اصرار کرتے رہے اور بیجا کرایہ نو کے سو مانگتے رہے، میں نے کہا پاس ہی تین فرلانگ پر دہلی گیٹ ہے وہاں کے پچاس روپے لے لو ایک ٹمپو والا مان گیا اس نے دہلی گیٹ اتار دیا۔ میں نے کہا کہ میں تجھے بیس روپے اور دوں گا تُو چوک رنگ محل اتار دے، وہ مان گیا اور چوک رنگ محل اتار دیا، میں نے پاس کھڑے ایک موبائل والے سے خوشامد سے کہا تم بتائے گئے نمبر پر فون کر دو، بھائی نعیم مجھے لے جائیں گے، انہوں نے فون کیا، بھائی نعیم سے بات ہوئی تو بولے ہم دونوں اسٹیشن گئے، وہاں دھکّے کھا کر اب آپ کے قریب ہی چوراہے پر میں اور ندیم کھڑے ہیں، ۵ منٹ میں ندیم کے ساتھ آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ چنانچہ ۱۰ منٹ میں وہ آ گئے اور چوک رنگ محل اپنی دوکان بند کر کے محمد نعیم و محمد سلیم ایک موٹر سائیکل پر اور دوسری پر ان کے چھوٹے بھائی میرا سامان لے کر گھر شادباغ محلّہ مکھن پورہ لے چلے۔ دونوں بھائی موٹر سائیکل ذاتی رکھتے ہیں اور ان کا روزانہ کا معمول یہ ہے کہ صبح ۱۱ بجے دوکان کھولنا اور رات کو گیارہ بجے یا اس کے بعد دوکان بند کرنا اور رات ۱۲ بجے کھانا کھا کر سونا ان کا معمول ہے۔ ٹی وی گھر پر نیچے اوپر دونوں بھائیوں کے یہاں موجود ہے اور دوکان پر علیحدہ ٹی وی ہے۔ مجھے اس طرح ٹی وی سے لگاؤ عجیب لگا اور وہ مولانا طاہر القادری مفسرِ قرآن کی درس صحیح بخاری ٹی وی پر روزانہ سنواتے ان کا بیان مدلل ہوتا اور ان کی

وسعتِ مطالعہ سے بھی متاثر ہوا کیونکہ وہ بیشتر کتابوں کا حوالہ اپنے قول کو راجح مان کر دیا کرتے تھے۔ مولانا اسرار احمد صاحب کی تفسیر قرآن بھی ٹی وی سے متعدد بار سنی اور مختلف سیاسی نظریے بھی انہوں نے دکھائے میں کہتا رہا کہ یہ کیا کر رہے ہو ٹی وی ناجائز ہے وہ بولے آگے چل کر ریڈیو کی طرح جائز ہو جائے گا۔ گاندھی کا نوٹ جس طرح جیب میں رکھنا جائز ہو گیا میں نے کہا تم نے ۱۰۰۰ کے نوٹ پر مسٹر جناح کی تصویر بنائی ہے وہ بولے ہم تو عیبوں سے آلودہ ہیں۔ میں نے کہا یہ راہِ فرار ہے دلیل نہیں۔ عام ابتلاء سے بھی کوئی چیز جائز ہو جاتی ہے؟ دین میں تنگی نہیں حسبِ موقعہ ضرورتاً مسئلہ کی صورت بدل جاتی ہے جیسا کہ تعلّی و شیخی مگر طوافِ زیارت میں تعلّی بُری شئے ہے مگر عندالطّواف زیارۃ شروع کے چکر میں مونڈھوں کو ہلانا اور تعلّی کی شان دکھانا جائز ہے۔ مولانا مودودی کے نزدیک سائنسی امور کا پریکٹیکل نظارہ ٹی وی سے سمجھانا حالات حاضرہ کے مطابق جائز ہے، جمہور علماء بناٹی وی یہ سمجھانے کو ترجیح دیتے ہیں، رویتِ ہلال کی خبر میں بھی صدا کی شناخت ضروری قرار دیتے ہیں۔

مولانا شیر محمد صاحب مفتی اعظم عربی مدرسہ جامعہ اشرفیہ کے نام حاجی محمد اسلم ساکن کیرانہ کا پرچہ تھا مگر وہ سفر میں تھے اور اسی دن جب میں عربی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور ملنے گیا تو ایک بج رہا تھا اور ان کی ڈیوٹی دارالافتاء میں ۸ سے ۱۲ بجے تک تھی۔ البتہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی ان کے مذاق کے مطابق تذکرہ ۱۹۵۶ء کا رہا اور موضوع گفتگو خدمات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریہ صاحبؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا رہا مختلف واقعات زندگی زیرِ تبصرہ آئے اور وہ بہت محظوظ ہوئے انہوں نے حلوہ قصور سے آیا ہوا کھلایا، بیس منٹ بعد روانگی چاہی انہوں نے کہا ذرا ٹھہریے اور گھر متصلہ میں گئے اور ایک ہزار روپیہ نذرانہ دعوتِ یابسہ کے نام سے دیے میں نے اپنی جیب سے نوٹ نکال کر کہا کہ ان کا کیا ہو گا وہ بولے یہ عطیہ ہے وہ مِلک ہے آپ نے جو واقعات سنائے پرانی یاد تازہ کی دلِ حزیں شادماں ہوا اور عطیہ اسی مسرت کا اظہار ہے اور کہا کہ

جو کہ نوری تھے گئے افلاک پر — مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

عربی مدرسہ جامعہ اشرفیہ میں اب کی بار جماعت رابعہ کا ایک طالب علم ایسا ملا کہ اس نے اپنی عربی دانی کی مجھ پر دھاک بٹھادی اور مجھے اپنا بینڈ بدلنا پڑا ورنہ ہر بار کوشش کرتا کہ طلباء مجھ سے عربی میں بات کریں مگر جواب ندارد؟ یہ لڑکا عبدالستار قصور کا رہنے والا تھا بڑا قادر الکلام تھا اس سے پہلے سفروں میں پاکستان کے میں جامعہ اشرفیہ کو طعنے دیتا **لاتفحعل هداك الله هذا لان الفعل هذا من جفاء لسان اهل الجة عربى و لسان اهل البرزخ عربى و لسان الرسول عربى والقران عربى فلِما سكتّم لا**

تجیئنی هذا لفحل من اعداء الاسلام

جامعہ اشرفیہ میں مفتی شیر محمد صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی اور حاجی محمد اسلم صاحب کا پرچہ بنام مفتی شیر محمد بھی نہ دے سکا، مجھے جلدی واپس ہونا تھا مفتی صاحب ۸ سے ۱۲ تک اپنا وقت مقررہ گذار کر گھر چلے گئے، گھر کی ملاقات میں اس سے پہلے سفر میں کر چکا تھا اُس ملاقات میں انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ مستقل قیام مکہ کیوں نامنظور کیا جبکہ مولانا محمد شفیع تم کو مدرس رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے کہہ دیا تھا عارضی عمل تدفین مجھے ناگوار گذرا کیونکہ مولانا محمد حشیم کی والدہ بھی بطور عارضی عملِ تدفین اندر جنت المعلیٰ مدفون ہوئیں جن کی قبر کے پاس کھڑا اپنے آخری لمحات کے نتیجہ کو سوچتا رہا اور طے کیا کہ ہند میں مستقل تدفین کا عمل ہی مندوب و مستحسن ہے یہاں یہ عمل ایک ضرورت کی وجہ سے ہے یعنی اگر اسی طرح پختہ یا مستقل ۸۰ سالہ بقاء پر موقوف قبروں کے رواج کو باقی رکھیں تو تمام حوالی مکہ قبرستان ہی بن جائے گا۔ عموماً لوگ کبرسنی میں حج کرتے ہیں اور بیشتر اموات غیر ملکیوں کی مکہ میں ہوتی ہیں۔

لاہور شہر اگرچہ میں بڑا مان لوں یا دلّی کے برابر ہی مان لوں مگر مجھے صفائی قطعاً نظر نہیں آئی اور صفائی میں وہ پرانی دلّی سے پچھڑا علاقہ پایا چند مخصوص سڑکوں کو چھوڑ کر مجموعی حالت پر نظر کی جاتی ہے اور صفائی کا مفہوم جھاڑو دینا نہیں ہوتا بلکہ جو چیز جہاں کے لئے متعین ہے وہ چیز وہیں نظر آئے، بے محل نظر نہ آئے تو کہا جائے گا اُس گھر میں یا اُس شہر میں صفائی کا اہتمام ہے۔

ہندو پاک کا تجزیہ

سیاسی: سیاسی اعتبار سے ملک کمزور پایا گیا اور مغربی ممالک کا آلۂ کار جانا گیا، پاکستانیوں کی خواہشات اند ردل پائی گئیں۔ سیاسی عمل میں ان کی خواہشات ۹/۳ موجود ہیں ۶/۹ مفقود ہیں جس کے لئے وہ برسرِ پیکار ہیں۔

شرعی تجزیہ: شرعی اعتبار سے بھی پاک کو ہند کے مقابلہ میں کمزور پایا گیا صوبہ سرحد کو چھوڑ کر باقی ملک میں لادینیت کا غلبہ ہے مساجد۔ انبیاء۔ مقابر۔ احترام انبیاء وغیرہ کا اہتمام وانتظام پورا پورا پایا گیا بلکہ بدرجہ غلو بھی پایا گیا مگر انبیاء کی سیرت کردار کے نمونے معدودے پائے گئے۔ عوام مسلکی جھگڑوں میں ایک دوسرے سے دور پائے گئے اور کوئی قائد فرقوں کو ملتِ واحد بنانے پر قادر نہیں ہے صرف ووٹ یا نوٹ کی خاطر ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں مخلصانہ جذبۂ عمل سے اکثر کورے ہیں۔

تجزیۂ معاشرتی: پاکستانی معاشرہ میں البتہ ہند سے پاکستان آگے ہے وزیراعظم لیاقت علی کے دَور تک ہندی معاشرہ کو نفرت جھیلنی پڑی اور لیاقت علی خاں کو وزارت مہاجرین بنانی پڑی مگر اب مزدور کو مزدوری تاجر کو تجارت کے مواقع میسر ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ہند میں ابھی تک مزدور کو مزدوری، کاشتکار کو قرض کی سہولت دشوار گذار مرحلے میں ہیں اب پاکستانی، ہندیوں کو گلے لگاتے ہیں او رٹھکانہ روزگار دلانے میں معاونت کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے بعد یہ تبدیلیاں آئیں۔ ازیں پیش تو یہ حال تھا کہ ہندی لڑکا چور ہوتا ہے دوکان پر ملازم نہ رکھنا یہ تلقین پنجابی مسلمان دوکانداروں کی سندھی تاجرین کو ہوتی تھی۔ آپسی دینی ربط تو نہیں ملی ربط ہے یہ ربط سکھوں میں بھی مسلموں کے لئے بڑھا ہے۔

تجزیۂ معاملات: معاملات میں بھی پاکستان آگے ہے، ایفاء عہد اور مطلوبہ رقم کی دینداری وقت پر کرتے ہیں، بھارت میں بے روزگار مسلمان معاملات میں پچھڑا ہوا ہے۔ وقت پر نہ دینا مطالبہ دبانا عام دستور ہوگیا۔

تجزیۂ اخلاق: اخلاقیات میں بھی پاکستان کو ہند پر فوقیت ہے کیونکہ مجھ بوڑھے کو بوجہ کمزوریِ نگاہ جس نے بھی سڑک پار کرائی یہ بھی پوچھا کہ کرایہ اپنی منزل تک جانے کا بھی ہے یا نہیں۔ ایسا بیس مرتبہ ہوا ہوگا کہ مجھے سڑک دسرے نے ہاتھ پکڑ کر پار کرائی۔ بھارت کی راجدھانی دلی میں کسی نے اگر سڑک پا کرائی تو یہ نہیں معلوم کیا کہ کرایہ بھی ہے یا نہیں اس بات سے بھی پاکستانیوں کی بلندیِ اخلاق کا اظہار ہوتا ہے۔

زبان وصحافت کا تجزیہ: پاکستانی اخبار کو اخبار فروش کے ہاتھ میں گنجلک لکھائی دیکھ کر پڑھنا مشکل ہوگیا اور خرید کر سرخیاں دیکھنی پڑیں گویا اردو اخبارات جو ہند میں ہیں ایسے صاف لکھاے کے ہیں کہ اخبار فروشوں کے ٹھڑے پر رکھے ہوئے ان کی سرخیاں دور سے پڑھ لو اور پاکستانی زبان جو ہمارے تصور میں اردو ہوتی ہے لیکن میں نے لاہور میں پنجابی پائی، بھلے ہی سرکاری زبان اردو ہے اور لوگ اردو جانتے اور سمجھتے بھی ہیں مگر مادری زبان پنجابی پائی گئی۔ دوسری زبان انگریزی پائی گئی جو مسلمانوں میں بھارت سے زیادہ عمل میں لائی جارہی ہے اور پاکستان کا زینۂ ترقی بھی ہے۔ جب میں اول مرتبہ پاکستان گیا تو تھانہ میں آمد لکھانے بھی گیا تو کلکرک کو اردو میں لکھتے دیکھا، لکھائی ایسی دیکھی جیسی ہمارے یہاں کے بیسک اردو اسکولوں میں درجہ ۳ کا طالب علم لکھتا ہے۔

یہاں بھی برادری واد اور سفارشی واد کارفرما ہے، لیاقت مدارِ انتخاب نہیں ہے اپنے چہیتوں کو ہی ملازم رکھ لیتے ہیں۔

میں جس وقت پاکستان پہنچا اگلے دن روانگی ندیم احمد (نواسہ) تھی میں نے کہا تم نے تاریخی مقامات لاہور دیکھ لئے یا نہیں وہ بولا کچھ نہیں دیکھا، میں نے کہا چلو تھری وہیلر میں بیٹھو اور جامع مسجد، داتا دربار، قلعہ جانگیر سرسری طور پر دکھائے۔ علامہ اقبال کا مزار بھی دکھایا اور پھر ندیم شام کی فلائٹ سے دہلی پہنچ گیا اور میں وہیں مقیم رہا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ اچانک مغرب کے وقت بھائی نعیم کے فون پر میری تلاش ہوئی کہ والدِ دمر ہندی لاہور میں کیا آپ کے پاس ہیں، انہوں نے کہا نماز کے لئے گئے ہیں۔ اگلے دن پھر فون آیا تب بھائی محمد نعیم نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں محمد عمر کا دوست ہوں اور میرا یہ فون نمبر ہے وہ مجھ سے رابطہ کرلیں، اگلے دن میں جب رابطہ کیا تو کہا کہ آپ کو کسی طرح کی کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟ جواباً میں نے کہا کوئی کسی طرح کی پریشانی نہیں ہے۔ بھائی محمد سلیم برادرکلاں محمد نعیم کو بہت تعجب ہوا کہ کہاں لاہور کہاں کیرانہ اور دہلی میں مقیم، محمد عمر کے دوست یہاں بغیر آئے جائے کیسے پیدا ہوگئے؟ میں نے سمجھایا کہ یہ سب انٹرنیٹ کی مہربانی ہے جس نے تمام دنیا کو محلّہ بنادیا ہے۔

اب کی بار پاکستانی کھانوں کا ذائقہ اچھا رہا کیونکہ میرا مرچ کھانے کا پارہ گر گیا اور میں جو سال بھر بعد گیا تو گھر والوں نے کم مرچ کھانے کی عادت بنادی اور پسی ہوئی مرچ جیسا کہ میں سفر دویم میں لے گیا تھا اُس وقت جب کھانا کھاتا اپنی پسی ہوئی مرچ ڈالتا تھا۔ اب کی بار یہ مرچیں پسی ہوئی ۱۰۰ گرام واپس آئیں اور خواہش نہ ڈالنے کی رہی۔ ایک دوست ماسٹر شہاب الدین لیلون کھیڑی والے نے یہ پوچھا اس بڑھاپے میں آپ چشمہ بغیر کیسے پڑھ لیتے ہیں میں بلاوجہ سوال سمجھ کر کہہ دیا کہ مرچ کھانے سے میری نظر اب تک قائم ہے، میں نے غصہ میں کہا تھا ان کی خوش گمانی دیکھیے کہ بجائے چپ رہنے کے بولے کہ مرچوں نے آپ کا نزلہ سُکھا دیا، حالانکہ یہ غلط ہے واقعہ یہ ہے کہ میں جوانی تک مفلس رہا جس وجہ سے چٹنی سے روٹی کھاتا تھا، یہ عادت بعد میں بھی نہ چھوٹ سکی، کافی مرچ کھانے سے کھانے سے منھ جلتا تو میں منھ کو لٹکا دیا کرتا تھا، تاکہ رال بہے میرے اس فعل سے تیزابیت منھ سے بہہ جاتی تھی جو میرے لئے منھ لٹکانا موجب صحت بنا اور بصارت کہرسنی تک قائم رہی۔

اسی دوران ایسا ہوا کہ میں نے اپنی روزانہ استعمال ہونے والی دوائیوں کو چیک کیا کہ کتنے دن کی باقی ہیں کیونکہ میں فتو ہضم، گیس اور الرجی کا مستقل شکار ہوں، چنانچہ میں نے دیکھا کہ تین روز کی دوا باقی

ہے۔ میں نے چلنے کا خیال ظاہر کیا تو بھائی محمد نعیم و محمد سلیم بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ آپ ایک ماہ جو حکومت کی طرف سے دیا ہوا ہے پورا کر کے جائیں گے، میں نے کہا مجھ کو اول سفر پاکستان کے تجربے نے بتادیا تھا کہ یہاں کی دوائیں مجھے راس نہیں آتیں اور اُن دونوں میں کئی دن بے خوابی اور الرجی کا شکار رہا تھا، وہ نہ مانے ان کو محبِّ قدرداں اور مخلص و مہربان حافظ رضوان مقصود صاحب، امام مسجد اونچی رنگ محل نے تیار کیا اور کہا کہ ایسی ویسی کوئی بات ہوگئی تو رسل ورسائل بھی اپنے ہاتھ میں نہیں غیر ملک کا معاملہ ہے آپ اجازت دیدیں۔ چنانچہ انہوں نے جلدی سے حاجن صاحبہ کے لئے بندے سونے کے اور ایک جوڑا حاجن کا اور میرا تیار کرایا اور پیش کیا، میں عذر کرتا رہا مگر وہ تو گمان لئے ہوئے ہیں کہ ہم کرایہ مکان میں تھے۔ حاجن کی دعا سے مالک مکان بنے مزید یہ کہ قرضہ بھی کافی ادا کردیا، جس مکان میں وہ رہ رہے ہیں ترقی پذیر علاقہ شاد باغ میں مکھن پورہ ہے جو کبھی گاؤں ہوگا لاہور سے ملا دیا گیا، بجلی اور گیس لائن گھروں میں جاری ہیں اور ماروَل کا مکان ٹھنڈے گرم پانی کے ٹینک والا حاصل ہے۔ لیٹرن باتھ روم، کچن وغیرہ نیچے اوپر علیحدہ علیحدہ دونوں بھائیوں کے ہیں، دیکھ کر اور رہ کر میں بہت مسرور ہوا، دونوں بھائیوں کے پاس علیحدہ علیحدہ موٹرسائکلیں واسطے آمدورفت موجود ہیں اور دونوں بھائیوں کے موبائل فون اور گھر والیوں کے فون کے بھی جداگانہ میسر ہیں۔ ان کو ہندآنے کی دعوت دیتا رہا وہ کہتے رہے کہ ایک جگہ کا ویزا ہوگا پھر بمبئی اجمیر کیسے جائیں گے میں نے کہا سب ہوجائے گا، تین جگہ کا ویزا لینا۔

تقریباً ۲۱ روز کے قیام کے بعد میں دہلی کے لئے روانہ ہوا، بیچارے ۱۰ بجے اٹھنے والے علی الصباح دونوں بھائی اُٹھے، مجھے تھری وہیلر اور میں خود دونوں موٹر سائیکل سے اسٹیشن لائے، گاڑی کا ٹائم ۸ بجے صبح دہلی کے لئے چلنے کا تھا، انہوں نے مصافحہ وداعی ملاتے وقت کہا

خطا گر کہیں ہوئی تو کر دینا معاف
کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار

میں نے جواب میں کہا:

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے گر دل میں مزہ ہو

وہی ۵ گھنٹہ واہگہہ میں اور ۸ گھنٹے اٹاری کسٹم میں لگے اور اٹاری سے گاڑی انڈین بدل کر چلے، راستہ میں بہت سردی لگی، دوپاٹ والا کمبل سترہ سو میں لیا تھا اُسے اوڑھا ہی تھا کہ سامنے والی عورت ۴۵ سالہ نے کہا کہ میری کمر میں درد ہے عزیز واقارب دوسرے بھی ساتھ تھے مگر موٹا کپڑہ نہ لے چلے میں نے اپنا کمبل دیا اور وہ

خراٹے بھرتی سوگئی، جالندھر اس کی آنکھ کھلی اور کمبل مجھے دیا میں نے انتہائی سردی میں غنیمت جانا اور اوڑھ لیا۔ انبالہ آکر گاڑی کی چال کہرہ کی وجہ سے مال گاڑی کی ہوگئی اور اگلے دن ۱۰ بجے دہلی پہنچا۔ اکیلا ہونے کی وجہ سے ہر جگہ بار بار سامان حفاظت کی پریشانی رہی۔

سفر پاکستان چہارم

۲۰۱۰ء

میں نے ناصر حسن اپنے داماد کو لیا اور کافی سامان تقریباً بیس ہزار کا ساتھ لیا۔ تبلیغی اجتماع بڑا وہاں گاؤں متصل لاہور ہوتا ہے جس میں کئی لاکھ آدمی تھے وہاں بھی شرکت کی۔ نعیم اور سلیم کو تیسرے سفر میں بھی انڈیا آنے کی دعوت دے کر آیا تھا اس کے لئے میں نے سفر خرچ قاری محمد عثمان ملتانی کے ہاتھ دس ہزار روپے بھیجے تھے مگر وہ نہ آئے۔ بہت مصروف لوگ ہیں جب میں وہاں چوتھے سفر پر پہنچا تو انہوں نے اسی طرح لفافے میں بند رکھے، مجھے واپس کئے، میں ان کی امانتداری پر حیران رہ گیا، سلیم کے ٹھہرنے اور نعیم کے بھی اب کی بار ان کے مکانات جداگانہ تھے۔ سلیم نے الگ بلڈنگ لے لی تھی، چلتے وقت ان کو وہ روپے واپس کرنے لگے، انکار کردیا اور کہا گر کچھ کرنا ہی ضروری ہے تو کپڑے دھونے کی مشین لے دو، ہم نے دونوں لے دی۔ اُن دنوں انڈین روپے دونے ہوتے تھے۔ آٹھ ہزار پاکستانی میں فی مشین تھی، دو مشین خرید کر بھی پیسے بچ گئے، ہم نے حساب نہ مانگا۔ عربی مدرسہ اشرفیہ لاہور گئے، صدر مدرس نے ۱۰۰۰ کا نوٹ سوکھی دعوت کا دیا کیونکہ ہم نے کہہ دیا تھا ہم مہمان ہیں وہاں کھانے کا انتظام ہوگیا ہوگا ایک لڑکے قصور کے رہنے والے سے اب کی بار عربی میں بات کی اُس نے مجھے تھکا دیا، میں نے پہلے سفروں میں بھی یہاں عربی میں بات کی تھی مگر قابلیت بے کار دیکھی اب کی بار ماننا پڑا، سبھی طرح کے لڑکے ہیں ہم تو ہوٹل میں ٹھہرے تھے وہ ہمارا سامان گھر لے گئے کہنے لگے یہاں وہ ٹھہرتا ہے جس کا کوئی نہ ہو۔

تجارت کے لئے وافر مقدار میں پیسہ لے جانا مددگاروں کو ساتھ لینا، نفع اتنا ہی ملنا جتنا بے پیسہ جانے میں ملتا تھا۔ تقدیر پر پورا ایمان ہوجانا اور یہ یقین بن جانا کہ تدبیر کرنے کا حکم ہے مگر تدبیر کو بارآور کرنا اور کامیاب بنانا قبضۂ رب میں ہے۔ بے وقوف ارجمند عاقل خوار کا مصداق دیکھنے میں آیا۔ بقول سعدی:

بخت و دولت بکار دانی نیست
جز و بتائیدآسمانی نیست
بناداں آنچناں روزی رساند
کہ دانا اندران حیراں بمیرد

(ترجمہ: نصیبہ کا جاگنا، دولت کو پہنچنا، اپنے ہاتھ میں نہیں ہے، آسمانی حمایت کے بغیر مشکل ہے، نادان کو ایسے روزی بھیجتا ہے کہ دانا اِس معاملہ میں حیران رہ جاتا ہے۔)